بانیٔ ادارہ
شیخ التفسیر
حضرت مولانا احمد علی
قدس سرہٗ

یومِ عاشوراء

* حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی
* حضرت نوح علیہ السلام کو طوفان سے نجات ملی
* حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ گلزار بنی
* حضرت یوسف علیہ السلام والد بزرگوار سے ملے
* حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی
* حضرت ایوب علیہ السلام کے مصائب دُور ہوئے
* حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ سے نجات پائی
* حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے مظالم سے نجات پائی اور وہ غرق ہوا
* حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی
* حضرت نبی کریم علیہ السلام پر خصوصی کرم ہوا جس کا ذکر سورۂ فتح میں ہے

انہی دس واقعات کی بنیاد پر اس دن کو یوم عاشوراء کہا جاتا ہے۔

(عینی شرح بخاری)

ایک روپیہ

۳۱ دسمبر ۱۹۷۶ء
۹ محرم الحرام ۱۳۹۷ھ

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم

قربِ قیامت کی نشانیاں

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَقْتَتِلَ فِئَتَانِ عَظِیْمَتَانِ تَكُوْنُ بَیْنَهُمَا مَقْتَلَةٌ عَظِیْمَةٌ دَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ۔ وَحَتّٰى یُبْعَثَ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ قَرِیْبٌ مِّنْ ثَلٰثِیْنَ كُلُّهُمْ یَزْعَمُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَحَتّٰى یُقْبَضَ الْعِلْمُ وَیَكْثُرَ الزَّلَازِلُ وَیَتَقَارَبَ الزَّمَانُ وَیَظْهَرَ الْفِتَنُ وَیَكْثُرَ الْهَرْجُ وَهُوَ الْقَتْلُ حَتّٰى یَكْثُرَ فِیْكُمُ الْمَالُ فَیَفِیْضَ حَتّٰى یُهِمَّ رَبُّ الْمَالِ مَنْ یَّقْبَلُ صَدَقَتَهٗ وَحَتّٰى یَعْرِضَهٗ فَیَقُوْلُ الَّذِیْ یَعْرِضُهٗ عَلَیْهِ لَا اَرَبَ لِیْ بِهٖ وَحَتّٰى یَتَطَاوَلَ النَّاسُ فِی الْبُنْیَانِ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت نہیں آئے گی کہ جب تک کہ دو بڑے گروہ آپس میں نہ لڑیں۔ جن میں باہم سخت لڑائی ہوگی اور ان دونوں کا دعویٰ ایک ہوگا۔ اور (قیامت نہ آئے گی) جب تک کہ مکار جھوٹے لوگ دنیا میں نہ اٹھیں جن کی تعداد تیس کے قریب ہوگی اور ہر ایک ان میں سے کہے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ اور جب تک کہ علم نہ اٹھ جائے، زلزلے کثرت سے نہ آویں اور زمانہ آپس میں قریب نہ آجائے، فتنے ظاہر ہوں، قتل کثرت سے ہونے لگیں ــــ اور جب تک کہ مال کی اتنی کثرت نہ ہو جائے۔ کہ مال والا سوچ میں پڑ جائے کہ اس کا صدقہ کون لے گا کیونکہ جس کو صدقہ دے گا وہ کہے گا مجھے ضرورت نہیں اور جب تک کہ لوگ آپس میں مقابلہ نہ کرنے لگیں کہ دیکھیں سب سے اونچی عمارت کون بناتا ہے

اس حدیث میں ان ہولناک واقعات کا بیان ہے جو دنیا کے مخالف بھی ہیں اور باہم موافق بھی۔ پھر ان میں سے بعض اس دنیا کو باقی رکھنے کی طرف مائل ہیں اور بعض اس کو مٹا دینا چاہتے ہیں۔ اسلام انسان کو سکھاتا ہے کہ اسے اپنی قوتیں ان قوتوں کی مددگار بنانی چاہئیں جو دنیا کے قیام کے لیے کام کر رہی ہیں۔ کیونکہ جب تک اس دنیا کا قیام ہے انسان کو اپنی نجات کے سامان فراہم کرنے کا موقع حاصل ہے ورنہ دنیا کا نظام بگڑنے کے بعد اچھے کام کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے اور بغیر اچھے کام کیے انسان مرنے کے بعد آرام و آسائش کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس حدیث میں وہ علامات بتا دی ہیں۔ جن کے ظہور کے ساتھ انسان کو اچھا بننے کی کوشش بہت زیادہ تیز کر دینی چاہیے۔ ورنہ دنیا اچانک ختم ہو جائے گی اور یہ دیکھتا رہ جائیگا۔ یہ حالات قربِ قیامت کا نشان ہوں گے ان حالات کا پیدا ہونا قیامت کو قریب تر کرے گا۔

دعا صحت

امام سیاست، شیخ طریقت حضرت درخواستی زید مجدھم کی علالت کی اطلاع ہو چکی ہے۔ مزید افسوس یہ ہے کہ قائد محترم، مفکر ملت مولانا مفتی محمود علالت کے پیش نظر لوپی کلینک اسلام آباد میں زیر علاج ہیں خدا ان بزرگوں کو ملت کی رہنمائی کے لیے صحت و سلامتی سے رکھے۔ (آمین)

(احقر مدیر)

تاریخ کی تدوین جدید

وقت کی اہم ضرورت

۱۔ "دنیائے اسلام کی صدیوں کی تباہی اور بربادی کے بعد پاکستان بہ حیثیت سب سے پہلی عظیم ترین اسلامی مملکت کے عالم وجود میں آیا ہے، اس لیے یہ موزوں ترین وقت ہے کہ اسلامی تاریخ کے اس عظیم الشان دور یعنی بنو امیہ کے درخشاں دور صد سالہ کی سچی تاریخ لکھی جائے اور پاکستان پبلک کے سامنے پیش کی جائے۔ جن کو اپنے ماضی کے سچے اور بے لاگ تناظر و تجربے کی شدید حاجت ہے۔"

۲۔ یقین جانئے صحیح اسلام جامد نہیں بلکہ متحرک و فعال تھا اور بے اموی کے شاندار عہد میں وہ فعال و متحرک، سیدھا سادہ، خالص و بے میل رہا اور اس کی بنیادیں کشادہ اور گہری رہیں، اتنی کشادہ اور گہری کہ آئندہ کی تمام کمزوریوں کے باوجود منگولوں کی خطرناک تاخت و تاراج کے اور اس کے بعد اس سے بھی زیادہ خطرناک یورپ دشمنی کے باوجود وہ قائم و برقرار رہا۔

آپ اپنے مورخین سے مطالبہ کیجئے اور اپنے مفکرین سے کہئے کہ وہ اس شاندار صد سالہ اموی دور پر اپنی توجہ مرکوز کریں۔"

یہ دو اقتباس اسمٰعیلی فرقہ کے سربراہ اور مشہور لیڈر سر آغا خاں کے ہیں۔ پہلا اقتباس محمد اے حارث صاحب کی کتاب "دی گریٹ امیہ" کے پیش لفظ سے منقول ہے جو سر آغا خاں نے لکھا اور دوسرا سر آغا خاں کی ایک تقریر سے نقل کیا گیا ہے جو موصوف نے کراچی میں کی تھی۔

سر آغا خاں اپنے معروف و مسلمہ عقاید و رجحانات کے پیش نظر جانے پہچانے آدمی ہیں اور بہت سے دوسرے افراد کی طرح ہمیں بھی اس کا اچھی طرح علم ہے لیکن۔

"یہ نہ دیکھو کہ کس نے کہا بلکہ یہ دیکھو کہ کیا کہا"

کے نبوی ارشاد کے پیش نظر ان کے ان اقتباسات کو ہم نے آج کی ادارتی

معروضات کا سرنامہ اس لیے بنایا ہے کہ ہمارے نزدیک وقت کا یہ چیلنج آج کے دور کا انتہائی اہم چیلنج ہے۔

اسلام جو اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ آخری دین اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ وہ جناب نبی کریم علیہ السلام کے توسط سے نازل ہوا اور آپؐ نے اس کی تبلیغ و اشاعت کے ساتھ ساتھ اس کے عملی سانچہ میں ایک جماعت ڈھال کر بھی اپنے بعد دنیا میں چھوڑی جس کو جماعت صحابہؓ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

یہ جماعت قرآنی نقطہ نظر سے "معیار حق و صداقت" ہے۔ اس پر اللہ راضی ہے۔ اللہ تعالےٰ اسے "اپنی جماعت" کہتے ہیں اور اللہ کا آخری نبی اس جماعت سے بغض و دشمنی کو اپنی ذات سے بغض و دشمنی قرار دیتے ہیں۔

یہی جماعت ہے جس نے بے مثال قربانی دے کر اسلام کے ابدی و سرمدی پیغام حیات کو چاردانگ عالم میں پہنچایا اور اس راہ میں پیش آمدہ بے پناہ مشکلات کی ذرہ برابر پرواہ نہ کی۔ اس جماعت نے اپنا تعلیم و تربیت کے ذریعہ اپنے بعد کے لیے ایک جماعت تیار کی، اس نے اپنے بعد کے لیے اور اس طرح اسلام کا نظام و پیغام آج ہم تک پہنچا۔ اسلام جو محض فرد کی انفرادی زندگی کے لیے ہی رہنمائی کا فریضہ سرانجام نہیں دیتا بلکہ اس کی اجتماعی زندگی کی بھی پوری طرح رہنمائی کرتا ہے، بہ حیثیت ایک نظام حیات اہل دنیا کو ایک ہزار سال سے زائد تک اپنی نورانی کرنوں سے منور کر چکا ہے۔ درمیان کا وہ وقفہ جب پوری دنیا یورپی اقوام کی دست برد کا شکار ہوئی، اس میں اسلام دلیل کے میدان میں علیٰ حالہ رہا۔ لیکن نظام و اجتماعیت کے میدان میں وہ بات نہ رہی اور جب اس طویل وقفہ کے بعد یورپ کا استبدادی اور آہنی پنجہ توڑ دیا گیا اور غلامی کی طویل و بھیانک رات ختم ہوئی تو دنیا نے یہ عجیب نظارہ دیکھا کہ مظلوم مسلمانوں کو فکری، تہذیبی اور تاریخی اعتبار سے بھی تباہ کیا جا چکا ہے۔ بہت کم لوگ ایسے تھے جنہوں نے سفید فام اقوام کے ظالمانہ استبدادی نظام کے باوجود اپنی روایات کو برقرار رکھا۔ لیکن ان کا المیہ یہ تھا کہ انگریز بہادر کے دسترخوان کے ریزہ چینوں نے ان مردان حر پر ایسے ایسے الزامات لگائے کہ تو بہ بھلی۔ نتیجہ واضح ہے کہ ان کی کسی نے نہ سنی اور قوم کے فکر و ذہن پر وہ لوگ مسلط و سوار ہوگئے جنہوں نے انگریزی اقتدار کو سایہ خداوندی کہہ کر اور انگریز کے تسلط کے باوجود اپنے اپنے ملک کو "دارالاسلام" کہہ کر حقائق قرآنی کا منہ چڑایا۔

ان انگریزی گماشتوں اور اس کے مفت کے وکیلوں نے بڑی ڈھٹائی اور بے شرمی سے جہاں اپنی قوم کا ہر شعبہ میں کردار مسخ کیا وہاں تاریخی میدان میں بھی وہ شرمناک روش اختیار کی جس سے ملت کی پوری تاریخ افسانہ بن کر رہ گئی۔

ان حاطب اللیل قسم کے افراد نے تاریخ ملت کی نقشہ کشی کرتے ہوئے عجیب عجیب گل کھلائے اور یہ گل کھلاتے ہوئے ان کے گستاخ قلم اور بے لگام زبانیں اتنی آگے چلی گئیں جہاں شاید عزازیل کی جرأت بھی نہ جا سکی۔ ان افراد نے اسلام کے سنہری ادوار کو اپنے ہی قلم سے "خونی دور" سے تشبیہ دی۔ اسلام کے نظریہ جہاد و قتال کی من مانی تاویلیں کیں، صدر اول کے مسلمانوں سمیت ہر دور کے سلاطین اسلام اور اہل حل و عقد کو ایسے روپ میں پیش کیا گویا وہ قرون مظلمہ کے ارباب اختیار و اقتدار تھے۔

ان ارباب قلم کی گستاخانہ روش کا سب سے زیادہ ہدف بنوامیہ کا خاندان ہوا۔ وہ خاندان جس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدیمی رشتہ داری کے علاوہ جدید رشتہ داری بھی تھی اور جس خاندان کے ارباب عزیمت پر اللہ کے نبی نے بے پناہ اعتماد کیا تھا!

دنیا کی کون سی قباحت ہے جو اس خاندان کے سر تھوپی نہیں گئی اور دنیا کی کون سی غلطی ہے جو اس قبیلہ کے کھاتے میں نہیں ڈال گئی! اور یہ سلسلہ اب اتنا دراز ہوا کہ تیسرے خلیفہ راشد، امام مظلوم سیدنا عثمان اور کاتب وحی امین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہما جیسی شخصیتوں پر بھی تابڑ توڑ حملے ہونے لگے۔

ایک مخصوص ذہن جس کی نیابت و ترجمانی کا فرض ہمارے یہاں جناب مودودی صاحب ادا کر رہے ہیں، نے تو حد کر دی اور خوف خدا و محاسبہ آخرت سے بے نیاز تمام حدود پھلانگ کر وہ زہر پھیلائی جس کی مثال پچھلی تیرہ صدیوں کی تاریخ میں ملنی محال و مشکل ہے۔

یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ یار لوگوں نے عقل کل کا مدعی بن کر ذاتی پسند و ناپسند کی بنیاد پر تاریخی ریسرچ و تحقیق کے میدان میں قدم رکھا اور ان کی مخصوص مصلحتوں نے ان کے لیے مہمیز کا کام دیا۔ اور اس طرح تاریخ کے نام پر رطب و یابس روایات جنہیں خرافات کہنا زیادہ صحیح ہے کا پلندہ سامنے آ گیا۔

ان افراد و رجال نے اللہ کی کتاب اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے صحیح تاریخی اصول اخذ کر کے تاریخی روایات کو ان پر پرکھنے کے بجائے اپنے خود ساختہ اصولوں پر پرکھا اور اس طرح ہر وہ روایت وحی کے ہم پلہ قرار پائی جن میں ان عظیم انسانوں کی توہین و تنقیص کا پہلو نکلتا ہے۔

ان کے ساتھ ساتھ اہلسنت و جماعت کے مدعیوں اور ٹھیکیداروں نے بھی مخصوص موسموں کی مناسبت سے سچ کہنے کے بجائے عوام کی روایتی عقیدت مندی کا زیادہ لحاظ کیا اور صدیوں کے گرد و غبار کو جھاڑ کر حق اور سچ کا اظہار خلاف مصلحت سمجھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج وہ تمام اعمال و افعال اور خرافات نیز نعرے اور سلوگن جن کا ماخذ یہودی اور مجوسی ذہن ہے سنیوں کے یہاں نظر آئیں گے اور اس کے باوجود ان کی سنیت محفوظ کی محفوظ رہے گی۔

ہم آج لگی پٹی رکھے بغیر یہ بات کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارے واعظین و مبلغین کی ایک بڑی کھیپ محمدی اسلام جس کے نگینے صحابہ کرام ہیں کی خدمت کرنے کے بجائے اسے نقصان پہنچا رہے ہیں۔ شعوری طور پر نہ سہی تو غیر شعوری طور پر ہی! اس کے ساتھ ہی ہمارے شعراء، نثر نگار، مقالہ نویس اور مصنفین و مؤلفین کا طرز عمل اور انداز فکر بھی ایسا ہی ہے جس پر سبائیت کی چھاپ واضح طور پر نظر آتی ہے جس سے نقصان ہی نقصان ہو رہا ہے۔

اس لیے کچھ صاحب دل، صاحب درد اور حساس قسم کے لوگوں کو کشتیاں جلا کر سمندر میں کودنا ہوگا اور اس وسیع و عریض سمندر سے "سچے موتی" نکال کر ایسی مالا تیار کرنا ہوگی جو حقیقت کا پتہ دے سکے۔ ان بہادر اور جی دار لوگوں کی راہ میں بہت ہی مشکل مقام آئیں گے لیکن ان کا عزم مصمم اور کام سے لگن ہر مشکل کا علاج ثابت ہوگی اور وہ پوری قوم کے محسن شمار ہوں گے۔

خدا کرے کہ اس مشکل وادی کو قطع کرنے کے لیے کچھ رجل رشید پیدا ہو جائیں۔ آمین بحرمۃ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

علو ۲۹ ذوالحجہ ۹۶ھ

تمہیں آہ — تقلیدِ مغرب نے مارا

نفیس خلیلی مرحوم

نقاب اُٹھ گیا رہ گئی بے نقابی ۔۔۔ حیا چل بسی، آگئی بے حجابی

جو ننگی ہے پنڈلی، کھُلی ہے کلائی ۔۔۔ سرِ عام ہوتی ہے جلوہ نمائی

حیا سوز بیٹی کا اللہ والی ۔۔۔ مقدّر کی ہیٹی کا اللہ والی

جو عریاں ہیں بازو، برہنہ ہیں سینے ۔۔۔ اقارب ہیں سب بے حمیّت کمینے

سمندر ہے اور کاغذی ہیں سفینے ۔۔۔ جہنّم ہے اور کانچ کے آبگینے

وہ بھائی ہے ملعون جس کی بہن ہے ۔۔۔ وہ دولہا ہے نامرد جس کی دلہن ہے

مسلمان عورت ۔ دوکانوں پہ جائے ۔۔۔ حیا سوز چہرے سے برقعہ اٹھائے

دلوں پر نگاہوں کا سِکّہ جمائے ۔۔۔ تُو دیکھے مگر تجھ کو غیرت نہ آئے

یہ عصمت فروشی ہے عصمت مآبی ۔۔۔ مسلمان عورت ہے یا مُرغِ آبی

کہ سینے کو تانے چلی آرہی ہے ۔۔۔ زمیں بارِ عصیاں سے تھرّا رہی ہے

دُکانوں پہ پھیلی ہوئی چار سُو ہے ۔۔۔ شب و روز اغیار سے دُو بدُو ہے

سرِ عام شورش پسند اس کا آہنگ ۔۔۔ نہ مجمع سے خائف نہ انبوہ سے دنگ

کہیں اس سے صرّاف کا قافیہ تنگ ۔۔۔ کہیں بے حجابانہ بزّاز سے جنگ

یہ ہیں بھلا ہانہ شانیں تمہاری ۔۔۔ یہ ہیں چشم بد دُور آنیں تمہاری

حیا سوزیاں، خامشی سے گوارا!

تمہیں آہ! تقلیدِ مغرب نے مارا

مُرسلہ

شہادت اور شہید

خطبہ جمعہ

ضبط و ترتیب: علوی

جانشینِ شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

بعد الحمد و الصلوٰۃ:

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ○ صدق اللہ العظیم

شہید مرتے نہیں

یہ آیت کریمہ سورۃ بقرہ کے ۱۹ ویں رکوع کی دوسری آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے "راہ خدا" میں قربان ہونے والوں کے متعلق یہ فرما کر انہیں "مردہ" نہ کہو، ایسی تعریف فرمائی کہ بایدو شاید؟

خیال فرمائیں کہ خالق کائنات اور مالک الملک جب کسی پر اتنے مہربان ہوں اور اپنی آخری کتاب میں ان کے متعلق یہ فرماتے ہوں اس کی عزت و عظمت کا کیا کہنا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"اور نہ کہو ان کو جو مارے گئے خدا کی راہ میں، کہ مردے ہیں بلکہ وہ زندے ہیں لیکن تم کو خبر نہیں"۔ (حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ)

یہاں تو اتنا ہی فرمایا۔ ایک دوسری جگہ سورہ آل عمران کے سترھویں رکوع میں فرمایا:

"اور تو نہ سمجھ ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں، مردے بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے، خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے الخ" (حضرت شیخ الہند رحمہ)

یہاں اللہ نے "لا تحسبن" فرمایا۔ جس میں اس بات کی زیادہ تاکید ہے کہ ایسا سمجھنا یا سوچنا یا گمان بھی نہ کرنا کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ تو زندہ ہیں۔ سورہ آل عمران کی یہ آیت واقعات احد کے ضمن میں ارشاد فرمائی گئی ہے اور احد کے مقام پر راہِ حق میں قربان ہونے والوں کی قربانی عند اللہ مقبول ہونے اور ان کے مقام کی رفعت و عظمت کا بیان و اظہار فرمایا گیا۔

مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم فرماتے ہیں:۔

"گھر میں بیٹھے رہنے سے موت تو رک نہیں سکتی۔ ہاں آدمی اس موت سے محروم رہتا ہے جس کو موت کی بجائے حیات جاودانی کہنا چاہیے۔ شہیدوں کو مرنے کے بعد ایک خاص طرح کی زندگی ملتی ہے جو اور مردوں کو نہیں ملتی۔ ان کو حق تعالیٰ کا ممتاز قرب حاصل ہوتا ہے۔ بڑے عالی درجات و مقامات پر فائز ہوتے ہیں، جنت کا رزق آزادی سے پہنچتا ہے"۔ (ص ۹۳)

مقامِ شہادت اور احادیثِ مبارکہ

مقام شہادت، جہاد فی سبیل اللہ کے نتیجہ میں نصیب ہوتا ہے۔ اس لیے جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے متعدد ارشادات "جہاد" کے ضمن میں منقول ہیں جن سے جہاں جہاد کی فضیلت معلوم ہوتی ہے اور یہ علم ہوتا ہے کہ جہاد اقوام و ملل کی زندگی و بیداری کے لیے انتہائی ضروری ہے وہاں جہاد ترک کرنے پر پیدا ہونے والی

نحوست اور بے برکتی نیز مقام شہادت کی فضیلت و اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

مثلاً

حضور علیہ السلام کا ایک مشہور ارشاد حضرات شیخین (امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ) نے اپنی اپنی صحیح میں نقل فرمایا۔ جس میں آپ کی اس خواہش کا ذکر ہے کہ میں راہ خدا میں شہید کیا جاؤں۔ اور یہ بات آپ نے بار بار فرمائی۔ ترجمہ ملاحظہ ہو:

"خالقِ کائنات جو میری جان کا مالک ہے، اس کی قسم میری خواہش و تمنا ہے کہ میں راہِ خدا میں مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں"۔

(بحوالہ مشکوٰۃ صـ ۳۲۱)

ایک حدیث میں فرمایا:

"کہ مجاہد و غازی اور راہِ حق کا مسافر اپنے زخموں سمیت میدانِ حشر میں آئے گا۔

زخموں سے

خون بہتا ہو گا۔ اس کی رنگت تو خون جیسی ہوگی لیکن بو کستوری کی مانند"۔

(مشکوٰۃ صـ ۳۲۲ بخاری و مسلم)

مزید فرمایا کہ:

"اہل جنت میں سے کوئی بھی دنیا میں واپسی کا متمنی نہ ہوگا۔ (اور اس کے انعامات کے مقابلے میں کسی کو کیا ضرورت ہے؟) لیکن شہید چاہے گا کہ وہ دنیا میں جائے دس بار (متعدد بار) شہید ہو۔ اور اس خواہش کا سبب شہادت کے پیش نظر عزت و بزرگی اور اعزاز و اکرام ہوگا۔

(بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ صـ ۳۲۳)

قیام دین اور جہاد و شہادت

اس عظیم فعل و عمل کی اللہ کے رسولؐ برحق کے یہاں اتنی قدر ہے کہ آپ "مسیح دجال" کے جہاد تک اپنی امت میں جہاد و قتال کے باقی رہنے کا ارشاد فرما چکے ہیں۔ اور اسی میں اہل دین کے غلبہ و عزت کا راز مضمر بتلایا۔ (ابو داؤد)

جہاد سے گریز کا انجام بد

جب جہاد و قتال کی یہ حیثیت ہے اور مجاہد و شہید کا عنداللہ یہ مقام ہے تو جو لوگ اس راہ سے گریز کرتے ہیں۔ وہ نہ صرف یہ کہ اپنی قومی و ملی زندگی میں فنا کا شکار ہو جاتے ہیں اور بے نام و نشان ہو جاتے ہیں بلکہ ان کی موت بھی "نفاق" کے مختلف درجات میں سے کسی درجہ پر واقع ہوتی ہے جیسا کہ نبی اکرم علیہ السلام کا ارشاد امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ:

"آپؐ نے فرمایا جو اس حال میں مر گیا کہ نہ تو اس نے جہاد کیا اور نہ خواہش جہاد کی تو اس کی موت نفاق کے شعبہ پر ہو گی"۔

(العیاذ باللہ)

آج کی بدبختی کا اصل سبب

یہی ہے کہ ملت بہ حیثیت مجموعی اس شوق سے محروم ہو چکی ہے اور جب یہ شوق رخصت ہوا تو برکات سے محروم ہونا لابدی ہے۔

حضرات صحابہ کرامؓ اور شوق جہاد و شہادت

اس کے برعکس دورِ صحابہؓ کی طرف دیکھیں آپ کو وہاں جہاد و شہادت کا جذبہ موجیں مارتا نظر آئے گا۔ ان قدسی الصفات حضرات میں ایک ایک کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح راہِ خدا میں "قربانی" کا موقعہ مل جائے اور ہمیں خدا کے حضور یوں حاضر ہوں کہ ہمارا دامن تربتر ہو لیکن کس سے؟ خون سے! وہ خون جو راہ خدا میں بہایا گیا ہو۔ یہی شوق انہیں چار دانگ عالم میں لے گیا اور ہر طرح کی کمزوری اور سامان اسلحہ و رسد میں کمی کے

(باقی ۱۰ پر)

محرم الحرام — سن ہجری کا آغاز

سانحۂ کربلا کا اِس کی حُرمت سے کوئی تعلق نہیں

ماہ محرم سن ہجری کا پہلا مہینہ ہے جس کی بنیاد تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ ہجرت پر ہے لیکن اس اسلامی سن کا تقرر اور آغاز استعمال ۱۷ھ میں حضرت عمر فاروقؓ کے عہد حکومت سے ہوا بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ یمن کے گورنر تھے، اُن کے پاس حضرت عمرؓ کے فرمان آتے تھے جن پر تاریخ درج نہ ہوتی ۱۷ھ میں حضرت ابوموسیٰؓ کے توجہ دلانے پر حضرت عمر فاروقؓ نے صحابہ کو اپنے ہاں جمع فرمایا اور ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا۔ تبادلۂ افکار کے بعد قرار پایا کہ اپنے سن تاریخ کی بنیاد واقعۂ ہجرت کو بنایا جائے اور اس کی ابتداء ماہ محرم سے کی جائے کیونکہ سن ۱۳ نبوت کے ذوالحجہ کے بالکل آخر میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا منصوبہ طے کر لیا گیا تھا اور اس کے بعد جو چاند طلوع ہوا وہ محرم کا تھا۔

(فتح الباری، شرح باب التاریخ ومن این اخذ التاریخ ج ۳- ص ۳۸۸ طبع دہلی)

مسلمانوں کا یہ اسلامی سن بھی اپنے معنی ومفہوم کے لحاظ سے ایک خاص امتیازی حیثیت کا حامل ہے۔ مذاہب عالم میں اس وقت جس قدر سنین مروج ہیں وہ عام طور پر یا تو کسی مشہور انسان کے یوم ولادت کو یاد دلاتے ہیں یا کسی قومی واقعۂ مسرت وشادمانی سے وابستہ ہیں کہ جس سے نسل انسانی کو بظاہر کوئی فائدہ نہیں۔

مثلاً مسیحی سن کی بنیاد حضرت عیسیٰؑ کا یوم ولادت ہے یہودی سن فلسطین پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخت نشینی جیسے ایک پُر شوکت واقعہ سے وابستہ ہے۔ بکرمی سن راجہ بکرماجیت کی پیدائش کی یادگار ہے۔ رومی سن سکندر فاتح اعظم کی پیدائش کو واضح کرتا ہے۔ لیکن اسلامی سنِ ہجری مہبط نبوت کے ایسے واقعہ سے وابستہ ہے جس میں یہ سبق پنہاں ہیں کہ اگر مسلمان اعلائے کلمۃ الحق کے صلے میں تمام اطراف سے مصائب و آلام میں گھر جائے، بستی کے تمام لوگ اس کے دشمن اور درپئے آزار ہو جائیں، قریبی رشتہ دار اور خویش و اقارب بھی اس کو ختم کرنے کا عزم کر لیں، اس کے دوست احباب بھی اسی طرح تکالیف میں مبتلا کر دیئے جائیں، شہر کے تمام سربرآوردہ لوگ اس کو قتل کرنے کا منصوبہ باندھ لیں۔ اس پر عرصۂ حیات ہر طرح سے تنگ کر دیا جائے اور اس کی آواز کو جبراً روکنے کی کوشش کیجائے تو اُس وقت وہ مسلمان کیا کرے؟

اس کا حل اسلام نے یہ تجویز نہیں کیا کہ کفر و باطل کے ساتھ مصالحت کر لیجائے، تبلیغ حق میں مداہنت اور غلط رواداری سے کام لیا جائے اور اپنے عقائد و نظریات میں لچک پیدا کر کے ان میں گھل مل جائے تاکہ مخالفت کا زور ٹوٹ جائے نہیں بلکہ اس کا حل اسلام نے یہ تجویز کیا ہے کہ

ایسی بستی اور شہر پر حجت تمام کر کے وہاں سے ہجرت کر جائے چنانچہ اسی واقعۂ ہجرتِ نبوی پر سن ہجری کی بنیاد رکھی ہے جو نہ تو کسی انسانی برتری اور تفوق کو یاد دلاتی ہے اور نہ شوکت و عظمت کے کسی واقعہ کو۔ بلکہ یہ واقعۂ ہجرت مظلومی اور بیکسی کی ایک ایسی یادگار ہے کہ جو ثبات قدم صبر و استقامت اور راضی برضائے الٰہی ہونے کی ایک زبردست مثال اپنے اندر پنہاں رکھتا ہے۔ یہ واقعہ ہجرت بتلاتا ہے کہ ایک مظلوم و بیکس انسان کس طرح اپنے مشن میں کامیاب ہو سکتا ہے اور مصائب و آلام سے نکل کر کس طرح کامرانی و شادمانی کا زریں تاج اپنے سر پر رکھ سکتا ہے اور پستی و گمنامی سے نکل کر رفعت و شہرت اور عزت و عظمت کے بامِ عروج پر پہنچ سکتا ہے۔

علاوہ ازیں یہ مہینہ حُرمت والا ہے اور اس ماہ نفلی روزے اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں جیسا کہ حدیثِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ہے۔ اسی حدیث میں ماہ محرم کو۔ اللہ کا مہینہ — بتلایا گیا ہے جس سے بھی اس کی فضیلت واضح ہوتی ہے — یہ بھی خیال رہے کہ اس مہینے کی حُرمت کا سیدنا حسینؓ کے واقعہ شہادت سے کوئی تعلق نہیں ہے بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ مہینہ اس لئے قابلِ احترام ہے کہ اس میں حضرت حسینؓ کی شہادت کا سانحۂ دلگداز پیش آیا تھا، یہ خیال بالکل غلط ہے یہ سانحۂ شہادت تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پچاس سال بعد پیش آیا اور دین کی تکمیل تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی کر دی گئی تھی — الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔

اس لئے یہ تصور اس آیتِ قرانی کے سراسر خلاف ہے پھر خود اسی مہینے میں اس سے بھی بڑھ کر ایک اور سانحہ شہادت اور واقعہ عظیمہ پیش آیا تھا یعنی یکم محرم کو حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کا واقعہ — اگر بعد میں ہونیوالی ان شہادتوں کی شرعاً کوئی حیثیت ہوتی تو حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت اس لائق تھی کہ اہل اسلام اس کا اعتبار کرتے، حضرت عثمانؓ کی شہادت ایسی تھی کہ اس کی یادگار منائی جاتی اور پھر ان شہادتوں کی بنا پر اگر اسلام میں ماتم و

(باقی ۲۸ پر)

بقیہ : خطبہ جمعہ

کے باوصف وہ دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں سے بھڑ گئے۔

دَورِ سعادت سے اب تک

اس دَورِ سعادت سے اب تک آپ تاریخ کے مختلف ادوار دیکھیں تو آپ کو یہ جوش و ولولہ جوان نظر آئے گا۔ ابھی کل کی بات ہے دہلی سے قدوسیوں کا ایک قافلہ اٹھا اور بالاکوٹ میں خون سے نہا گیا۔ ان کے چندے بعد شاملی کے میدان میں بوریہ نشین مولوی سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ کی قیادت میں فرنگیوں سے اس طرح نبرد آزما ہوئے کہ شجاعت و بسالت ان پر ناز کرنے لگی۔ ۱۸۵۷ء کے حریت مآب اور آزادی خواہوں نے فرنگی راج سے آنکھیں چار کیں۔ گو وہ گوروں سے ملک آزاد نہ کرا سکے لیکن آزادی کے لیے راہ تو ہموار کر گئے

پر آہ! آج کے دور میں

وہ جذبات سرد ہیں، وہ امنگیں ناپید ہیں، مسلمان بزدلی کا شکار ہو چکے ہیں اور یا پھر آپس میں اپنی قوت ضائع کر رہے ہیں اس لیے وہ عہد سعادت کی برکات سے محروم ہیں۔

نتیجہ واضح ہے کہ

اگر دنیا میں باعزت طور پہ جینا ہے اور اغیار کی شماتت سے بچنا ہے تو قرآن و سنت کی لازوال اور ابدی حقیقتوں کی طرف لوٹ کر آنا ہوگا۔

ان دنوں میں حضرت حضرت عثمان، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سمیت بہت سے حضرات کی شہادت واقع ہوئی اور یہ حضرات اپنے خون سے شجر اسلام کو سینچ کر آئندہ نسلوں کے لیے ایک مثال قائم کر گئے۔

آج کی صحبت میں انہی اشارات پر اکتفا کرتا ہوں اللہ نے توفیق دی تو آئندہ جمعہ اس سلسلہ میں بعض اور چیزیں موقع و محل کی مناسبت سے عرض کروں گا۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

مواخات مہاجرین و انصار

(ڈاکٹر سید زاہد علی واسطی)

پیغمبرِ اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ورود مسعود ایک ایسی قوم میں ہوا تھا۔ جہاں صدیوں سے باہمی جنگ و جدل کا دور دورہ تھا۔ اور ان کے نفسیاتی سانچوں میں باہمی اخوت کی آمیزش کی رمق تک باقی نہ رہی تھی۔ وہاں سیدنا محمد رسول اللہ علیہ وسلم نے بتدریج قوم اور ملک میں خوش اسلوبی، صبر و حلم، استقامت اور تحمل سے انسانیت کا درجہ بلند کیا اور امیری و غریبی کے امتیاز، فاتح و مفتوح کے تفاوت مہاجر و انصار کے مابہ الامتیاز تفریط سے قطع نظر سب کو دین کے واحد رشتہ سے متحد و متفق ہم سطح و ہم خیال، ہم اعتقاد و ہم آواز بنا دیا۔ نفرت و عداوت کی بجگہ نصرت و اخوت کی نیرنگیوں سے قلوب المسلمین پر عظمت و کبریائی ربانی کا نقش دوام قائم کر دیا۔ مشیت ایزدی اسی میں تھی کہ تمام متنافر اجزاء اس طرح مربوط و مرصوص ہو جائیں۔ بس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ہماری تائید و نصرت نے یہ کچھ کر دکھایا تو آئندہ بھی تمہاری نظر دنیوی اسباب پر نہیں بلکہ خدا کی تائید پر ہونی چاہیئے۔ ملاحظہ فرمایئے قرآن حکیم۔

والف بین قلوبھم ط لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم ط۔ (الانفال - ٦٣)

ترجمہ:- دل ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیئے، تم روئے زمین کی ساری دولت خرچ ڈالتے، تو ان لوگوں کے دل نہ جوڑ سکتے مگر وہ اللہ ہے جس نے ان لوگوں کے دل جوڑے۔

مواخات یا مواخاۃ لفظ عربی زبان کا ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ باہمی بھائی چارہ۔ آپس میں بھائیوں جیسا رشتہ مستعمل ہے ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار کے باہمی قرابت داری۔ بھائی چارہ کے لئے جو حضور صلعم کے حکم سے عمل میں لائی گئی۔ یہ مواخات دو مرتبہ ہوئی۔ ایک دفعہ مکہ میں اور یہ صرف مہاجرین کے درمیان ہوئی۔ یعنی مکہ کے مہاجرین اور مدینہ کے نومسلم انصار کے درمیان۔ درحقیقت یہ عمل ہمیں تزکیہ اخلاق کا درس دیتا ہے۔ جو پیغمبر اسلام کی وسیع النظری، ہمدردی و غمگساری حق و صداقت اور تعلیم و تربیت کی بنیاد پر ظہور پذیر ہوا۔ تاکہ مہاجرین کے قلوب سے دیارِ غیر کی وحشت دور ہو جائے اور اپنے کنبہ و برادری سے جدائی کے زخم مندمل کرنے میں معاون بن سکے۔

جو مہاجرین مکہ سے آئے تھے۔ ان کی زندگی کے کئی سال مصائب و آلام میں گذر چکے تھے۔ اور عملاً تزکیہ اخلاق و تزکیہ نفس کے مرجع تھے۔ ان کو مدینہ میں آنے کے بعد اپنے لئے مناصب و مقام پیدا کر لینے میں دقت پیش نہ آئی۔ ان کے مصارف و ضرورتیں اس قدر محدود تھیں کہ ہر ناساز گار حالت میں قطعاً حزن و ملال نہ ہوتا تھا۔ دوسری طرف انصارِ مدینہ تھے جو نومسلم تو تھے۔ مگر ان کی وسیع القلبی، خندہ پیشانی، جذبہ ایثار سے سرشار تھی۔ جس کا عمل مشاہدہ فوراً ہی زمانہ پر آشکارا ہو گیا۔ جو تن، من دھن سے راندہ اور دور افتادہ مہاجر بھائیوں کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ اور اس ہی برگزیدگی اخوت المسلمین سے ان کو اسلام کی ابتدائی درسگاہ کے سنگِ بنیاد بن جانے کا دائمی شرف حاصل ہوا۔

جب مسجد نبوی کی تعمیر مکمل ہو چکی تو ایک دن حضرت انس رضؓ بن مالک کے گھر میں رسول اللہ صلعم نے مہاجرین و انصار کو جمع کیا۔ (روایت ہے کہ اس اجتماع میں نوے آدمی تھے۔ جس میں ٤٥ مہاجر اور باقی انصار تھے) اور فرمایا۔

تآخوا فی اللہ اخوین اخوین (ابن ہشام۔ سیرت النبی کامل ج ١ ص ٥٦٣)

ترجمہ:- اللہ کی راہ میں دو دو آدمی بھائی بھائی بن جائیں۔

پھر آپؐ نے علیؓ ابن ابی طالب کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا یہ میرا بھائی ہے۔ جعفرؓ بن ابی طالب کا بنی سلمہ کے معاذؓ بن جبل

سے بھائی چارہ ہوا۔ ابوبکرؓ صدیق اور خارجہؓ بن زید سے بھائی چارہ ہوا۔ ابو عبیدہؓ بن بن الجراح کا سعد بن معاذؓ بن النعمان سے، عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا سعدؓ بن الربیع سے، زبیرؓ بن العوام کا سلمہ بن سلامہ سے، عثمانؓ بن عفان کا ثابت بن المنذر سے، طلحہؓ بن عبیداللہ کا کعبؓ بن مالک سے، سعیدؓ بن زید کا ابی بن کعب سے، مصعبؓ بن عمیر کا ابو ایوبؓ انصاری سے، سلمانؓ فارسی کا ابوالدردا، عویمر بن ثعلبہ سے، بلالؓ کا ابو دویحہ عبداللہ سے، ابوذرؓ غفاری کا منذر عمرو سے۔ اللہ جل جلالہ نے ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی بنایا اور یوں ارشاد فرمایا۔

فاصبحتم بنعمتہ اخوانا ط۔ ۔ ۔ ۔ فانقذکم منہا ط (آل عمران ۱۰۳)

ترجمہ:۔ اور تم سب خدا کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔ تم لوگ تو آگ کے گڑھے کے کنارے تھے جس سے خدا نے نجات عطا فرمائی۔

"مسلمانوں میں اسلامی مواخات کا ایسا ولولہ پیدا ہوگیا تھا کہ ان کے عزیزوں سے کہیں زیادہ رشتہ حق کے ان عزیزوں کو اپنا سمجھنے لگے تھے۔ حتیٰ کہ اگر ایک مرجاتا تو رشتہ مواخات کا بھائی اس کا وارث سمجھا جاتا۔ انہوں نے سارے پرانے رشتے بھلا دیئے صرف ایک رشتہ کی لگن باقی رہ گئی۔ یعنی سب اللہ کے رسولؐ کے فدائی اور سب، اس کے حسن جہاں آرا پر سب کچھ نثار کردینے والے ہیں"

(مقالات مولانا آزاد۔ رسولؐ رحمت ص ۲۴۰)

اس سلسلہ مواخات کو نسبی برادری کے مساوی قرار دیا گیا چنانچہ اس طرز عمل اور طریق کار سے مسلمانوں کی شیرازہ بندی کا مایہ الافتخار کام سرانجام پاگیا۔ انصار نے مہاجرین کی دلجوئی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اور رسول اللہ صلعم سے عرض کی کہ ہمارے باغ و نخلستان حاضر ہیں۔ آپ ہمارے مہاجر بھائیوں کو بانٹ دیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ لوگ ایسے علاقے سے آئے ہیں جہاں باغ و نخلستان نہیں ہوتے اور یہ باغبانی کا کام بھی نہیں کر سکتے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ باغبانی کا کام تم (انصار) کرو اور پیداوار سے حصہ مہاجروں کو بھی ملے۔ انہوں نے کہا درست ہے (بخاری۔ ابن جریر) اس پر مہاجرین نے عرض کی ہم نے کبھی ایسے لوگ نہیں دیکھے جو اس درجہ ایثار کرتے ہوں۔ ہم تو سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ ہی تمام اجر لوٹ لینگے۔

حضورؐ نے فرمایا نہیں۔ جب تک تم لوگ ان کی تعریفیں کرتے رہو گے۔ اور ان کے حق میں دعا کرو گے تم کو بھی اجر ملے گا۔ (مسند احمد)

جب بحرین کا علاقہ فتح ہوا تو رسول صلعم نے کوشش کی کہ مفتوحہ علاقہ سے آراضی انصار کو بھی دی جائے۔ مگر انہوں نے عرض کی ہم اس سے کوئی حصہ نہ لیں گے۔ یہ ہمارے مہاجر بھائیوں کے لئے ہے۔

(یحییٰ بن آدم)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اے انصار اگر تم لوگ چاہو تو مہاجرین میں اپنے گھروں اور مالوں کو تقسیم کردو۔ اور میں اس کے عوض جو مال غنیمت مہاجرین میں تقسیم کرتا ہوں۔ وہ تم کو تقسیم کر دیا کروں گا۔ اور اگر تم پسند کرو تو مہاجرین کو مال غنیمت مل جائے اور تم ہمارے گھر بار مال و دولت تمہارے پاس رہیں۔ انصار نے عرض کی ایسا نہیں بلکہ ہم مہاجرین بھائیوں میں اپنے گھر اور اپنے اموال بھی تقسیم کریں گے۔ اور مال غنیمت میں سے بھی ان کے حصہ دار نہیں بنیں گے۔ انصار کا ایثار بدرجہ اتم تھا۔ مہاجرین کو مکان بنانے کے لئے اپنی زمینیں بانٹ دیں۔ بعض نے اپنے وسیع مکانوں میں سے حصہ کر کے دے دیئے۔ مگر مہاجرین کی خودداری محنت مشقت کی وجہ سے تلاش معاش نے ان کو بوجھ نہ بننے دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کپڑے کا بیوپار شروع کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے کھجوروں کی دکان لگائی۔ حضرت عمرؓ نے بھی تجارت میں حصہ کر لیا۔

روایت ہے کہ عبدالرحمٰنؓ بن عوف، سعد بن الربیع کے بھائی قرار پائے گئے۔ جو انصار میں سب سے زیادہ صاحب ثروت تھے۔ آپ عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو اپنے گھر لے گئے اور تمام املاک منقولہ و غیر منقولہ دکھانے کے بعد نصف دینے کو تیار ہو گئے اور ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ میری دو بیویاں ہیں۔ جس کو آپ پسند کریں اس کو میں طلاق دیئے دیتا ہوں۔ بعد عدت آپ اپنے نکاح میں لے آئیں۔ لیکن تحسین ہے اس مہاجر کو جس نے کچھ بھی لینے سے انکار کر دیا۔ اور ان سے کہا کہ مجھے صرف بازار لے چلو۔ چنانچہ آپ نے بنو قینقاع کے بازار میں گھی اور پنیر سے تجارت شروع کر دی۔ رفتہ رفتہ اس تجارت میں اس قدر ترقی ہوئی کہ خود ان کا قول ہے کہ اگر مٹی کو بھی ہاتھ لگاتا ہوں تو سونا بن جاتی ہے۔ سورۃ الحشر میں حق تعالیٰ نے انصار کی مدح اس طرح بیان فرمائی ہے۔

والذین۔ ۔ ۔ ۔ ہم المفلحون۔

ترجمہ:۔ یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے

(باقی ۱۵ پر)

خاندانِ نبوت پر ایک طائرانہ نظر اور مختصر سا تعارف

مرتبہ:- محمد اسماعیل شجاعبادی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان

ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی امہات المومنین (۱) ام المومنین سیدہ طاہرہ خدیجۃ الکبریٰ آپ کے والد ماجد کا نام خویلد اور والدہ کا نام زائدہ تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب قصی پر جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ حضرت خدیجہ چونکہ بعثت نبوی سے قبل ہی جاہلانہ رسومات سے پاک و صاف تھیں۔ اس لئے آپ کا اسم گرامی طاہرہ بھی تھا۔ آپ کا نکاح اولاً ابوہالہ بن زرارہ تیمی سے ہوا جس سے ہند بن ابی ہالہ اور زینب بنت ابی ہالہ پیدا ہوئیں۔ ابوہالہ کے انتقال کے بعد عتیق بن عائذ مخزومی کے عقد نکاح میں آئیں۔ ان سے ایک لڑکی ہندہ پیدا ہوئیں جنہوں نے شرف صحابیت حاصل کیا اور ایک صاحبزادہ عبداللہ بن عتیق پیدا ہوا جو بچپن میں انتقال کر گیا۔ عتیق کی وفات کے بعد آپ بیوہ ہو گئیں کچھ مدت بعد حضرت سید الاولین والآخرین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے عقد نکاح میں آئیں اور نکاح ابوطالب نے پڑھایا۔ اس وقت آپ کی عمر چالیس سال تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال تھی اور ہجرت سے تین سال قبل مکہ میں انتقال فرمایا۔

۲- ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری زوجہ مکرمہ ہیں۔ یہ حضرت خدیجہ کی وفات کے چند روز بعد حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ ان کا اولاً عقد نکاح ان کے چچا زاد بھائی سکران سے ہوا تھا۔ ان کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ ان کا مہر چار سو درہم تھا۔ آخر عمر میں حضرت سودہ نے اپنی باری بڑھاپے کے باعث حضرت عائشہ کو ہبہ کر دی عہد فاروقی میں وفات پائی۔

۳- ام المومنین حضرت سیدہ طاہرہ عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا۔ یہ آقائے نامدار کی تیسری حرم ہیں آپ کی والدہ کا نام زینب اور کنیت ام رومان تھا۔ ان کا نکاح حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بعد ماہ شوال سنہ ۱۰ نبوی میں ہوا۔ اور مہر چار سو درہم مقرر ہوا۔ بوقت نکاح حضرت صدیقہ بنت صدیق کی عمر ۶ سال تھی اور نو سال سے کچھ اوپر رخصتی اور رسم عروسی ادا کی گئی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ نے فرمایا۔ جبریل میرے پاس آئے اور فرمایا کہ رب قدوس نے آپ کا نکاح صدیقہ بنت صدیق سے فرما دیا ہے۔ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر بھی ساتھ لائے اور کہا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں۔ (زرقانی ص ۲۲۳ ج ۳) نو سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہیں اور ۶۶ سال کی عمر میں خالق حقیقی سے جا ملیں۔ سیرۃ المصطفیٰ میں مولانا کاندھلوی فرماتے ہیں کہ عائشہ ہی ہیں جنہوں نے حضرت جبریل امین کی زیارت کی۔ امیر معاویہ نے فرمایا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ فصیح و بلیغ خطیب دنیا میں نہیں دیکھا یہی صدیقہ ہی تو ہیں جن کو رسول عربی فرط محبت میں حمیرا کے لقب فرمایا کرتے تھے۔ سید سلیمان ندوی سیرت عائشہ میں رقمطراز ہیں۔ کہ حضور کی ۹ سالہ صحبت میں ایسا علم پایا کہ پوری دنیا کی عورتوں میں ان کا کوئی ثانی پیدا نہیں ہوا۔ حضرت صدیقہ ہی کے حجرہ میں حضور نے وفات پائی اور مدفون ہوئے۔

۴- ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہا۔ یہ سرور کائنات فخر دو عالم کی چوتھی حرم ہیں۔ ان کی والدہ کا نام زینب بنت مظعون تھا۔ ان کا پہلا نکاح بن حذیفہ سے ہوا اور وہ غزوہ بدر میں شہید ہوئے۔ زرقانی ص ۲۲۶ ج ۳ جب حضرت حفصہ بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یکے بعد دیگرے حضرت عثمان و ابوبکر سے درخواست نکاح کی۔ چنانچہ سرکار دو عالم

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ عثمان کو اس سے بہتر بیوی دے گا اور اس کو عثمان سے بہتر شوہر دے گا تو حضرت عثمان کا نکاح اپنی صاحبزادی سے فرمایا اور حفصہ کا آپ سے نکاح ہوا ایک مرتبہ آپ نے حضرت حفصہ کو طلاق دی تو جبریل امین وحی لے کر آئے اور فرمایا ارجع الی حفصۃ صوامۃ قوامۃ وانھا زوجتک فی الجنۃ۔ چنانچہ آپ نے رجوع فرمایا (زرقانی ج ۳ ص ۲۳۴)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے خلافت امیر معاویہ میں ۶۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ شعبان ۴۵ھ اور ان سے ایک سو ساٹھ احادیث مروی ہیں اصابہ ص ۲۵۳ ج ۴۔

۵۔ ام المومنین زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا، یہ آپ کی پانچویں بیوی ہیں زمانہ جاہلیت میں بہت ہی فیاض تھیں اس لئے ان کا نام ام المساکین رکھا گیا۔ ان کا پہلا نکاح حضرت عبداللہ بن جحش سے ہوا اور وہ غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ عدت کے بعد ان کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ نکاح کے دو ماہ بعد آپ کی وفات ہوئی اور نماز جنازہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھائی بہت سخی تھی۔ بوقت وفات ان کی عمر تیس سال تھی۔ عیون الاثر ج ۲ ص ۳۰۳

۶۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا۔ یہ آپ کی چھٹی بیوی ہیں ان کا حضور علیہ السلام سے ان کے پہلے خاوند ابو سلمہ کے شہید ہونے کے بعد ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا سے ۳۷۸ احادیث مروی ہیں۔ آخر ۶۰ھ یا ۵۹ھ میں وفات پائی۔ بوقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر ۸۴ سال تھی۔

۷۔ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا۔ یہ حضرت زید بن حارثہ کی زوجہ محترمہ تھیں جب انہوں نے [illegible] دی تو حضور علیہ السلام کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام پیغام خداوندی لے کر آئے فلما قضی زید منھا وطرا زوجنٰکھا یعنی حضرت زید کے طلاق دینے کے بعد آپ کا نکاح اللہ تعالےٰ نے خود پڑھایا۔ یہ نکاح ۵ھ میں ہوا بوقت نکاح حضرت زینب کی عمر ۲۵ سال تھی ۵۳ سال کی عمر میں ۲۰ھ میں انتقال فرمایا۔

۸۔ ام المومنین حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا۔ آپ کا پہلا عقد مسافع بن صفوان سے ہوا۔ وہ غزوہ مریسیع میں شہید ہوئے حضرت جویریہ ایک باندی تھیں نکاح کے بعد حضور ختمی المرتبت نے آزاد کر دیا ۵ھ میں نکاح فرمایا اس وقت آپ کی عمر ۲۰ سال تھی۔ ربیع الاول ۵۰ھ میں انتقال فرمایا۔

۹۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہ بنت ابو سفیان رضی اللہ عنہا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نویں بیوی ہیں۔ پہلا نکاح عبید اللہ بن جحش سے ہوا حضرت ام حبیبہ کے نکاح سے ابو سفیان کی سیاسی طاقت کمزور پڑ گئی اور اس نکاح نے کافی حد تک فتح مکہ کا راستہ ہموار کر دیا۔ حضرت ام حبیبہ سے ۶۵ احادیث مروی ہیں ۴۴ھ میں مدینۃ الرسول میں وفات پائی۔

۱۰۔ ام المومنین حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب یہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی دسویں بیوی ہیں اور حضرت موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کے ساتھ ان کا شجرہ نسب ملتا ہے۔ ان کا پہلا نکاح سلام بن مشکم سے ہوا اور دوسرا نکاح کنانہ بن الحقیق سے ہوا تھا۔ آپ کا انتقال ۵۰ھ رمضان المبارک میں اور آپ سے ۱۰ احادیث مروی ہیں۔

۱۱۔ ام المومنین حضرت میمونہ بنت الحارث۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہویں زوجہ مکرمہ ہیں قبولہ ابن سعد یہ حضور صلعم کی آخری بیوی تھیں۔ حضور علیہ السلام سے قبل آپ کا نکاح ابو رہم بن عبد العزیٰ کے ساتھ تھا۔ آپ کا نکاح حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مقام سرف پر پڑھا۔ اور آپ سے ۷۶ احادیث روایت کی گئیں ہیں۔ اور یہ حضرت ترجمان القرآن حبر الامت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خالہ ہیں۔ یہاں تک حضرت امہات المومنین ازواج رسول کریم صلعم کا بیان تھا۔ بہت اختصار کے ساتھ بات آگے آپ کی کنیزوں کا تذکرہ بہت ہی مختصر ملاحظہ فرمادیں۔

آنحضرت صلعم کی کنیزیں (۱) حضرت ماریہ قبطیہ۔ یہ شاہ مقوقس نے بطور ہدیہ بھیجی تھی۔ بعد میں آپ کی ام ولد ہوگئیں۔ حضرت ابراہیم انہیں کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے (۲) ریحانہ بنت شمعون۔ یہ بنو قریظہ یا بنو نضیر سے تھیں قید ہو کر حضور ختمی مرتبت کے حصہ میں آئیں۔ حجۃ الوداع کے بعد انتقال فرمایا۔ رضی اللہ عنہا ان کے علاوہ آپ کی دو باندیاں تھیں

آنحضرت صلعم کی اولاد	حضرت قاسم۔ حضرت طیب حضرت طاہر۔ حضرت ابراہیم۔

آپ کے چار صاحبزادے ہیں اور بعض روایات میں ہے کہ تین ہیں اور طیب و طاہر ایک ہی صاحبزادے کے دو نام ہیں اور بعض روایات میں جو تھا صاحبزادہ عبداللہ معلوم ہوتا ہے۔

آنحضرت صلعم کی صاحبزادیاں

حضرت زینب یہ حضرت ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں اور ان سے اولاد بھی ہوئی۔ حضرت امامہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ (۲) حضرت رقیہ۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ اور ۲ھ میں انتقال فرمایا (۳) حضرت ام کلثوم یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہیں یہ بھی حضرت رقیہ کی وفات کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین کے نکاح میں آئیں۔ ان دو صاحبزادیوں کے عقد نکاح میں آنے کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ذوالنورین کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت محمد باقر سے روایت ہے قال ولد لرسول اللہ صلعم من خدیجۃ القاسم و الطاہر و ام کلثوم و رقیہ و فاطمہ و زینب فتزوجہ علی علیہ السلام الفاطمۃ و تزوج ابوالعاص بن ربیع زینب و تزوج بن عفان ام کلثوم و لم یدخل بہا حتی ہلکت و زوجہ رسول اللہ علیہ وسلم الرقیہ قرب الاسناد ص۶ اور بعض روایات میں یوں آتا ہے کہ پہلے حضرت رقیہ سے نکاح ہوا پھر ان کی وفات کے بعد ام کلثوم سے۔ (شرح نہج البلاغہ فیض الاسلام فارسی) اور (۴) حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا۔ یہ سرور کائنات صلعم کی چوتھی صاحبزادی ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ اور ان کے بطن مبارک سے حضرت حسن۔ حضرت حسین۔ حضرت محسن۔ حضرت زینب۔ حضرت ام کلثوم (جو حضرت عمر کے نکاح میں آئیں) حضرت رقیہ پیدا ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمام۔ چچا

حضرت سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جو جنگ احد میں شہید ہوئے ۲۔ حضرت عباس۔ یہ بھی مشرف باسلام ہوئے (۳) ابو طالب جن کا اصل نام عبد مناف تھا (۴) ابولہب کا اصل نام عبدالعزیٰ تھا (۵) زبیر (۶) عبدالکعبہ (۷) مقوم (۸) ضرار (۹) قثم (۱۰) مغیرہ اس کا لقب حجل تھا (۱۱) غیداق ان کا لقب مصعب تھا (۱۲) نوفل۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمام میں سے صرف دو (حضرت حمزہ و عباس) نے شرف صحابیت حاصل کیا۔

آنحضرت کی عمات۔ (پھوپھیاں)

حضرت صفیہ جو کہ حضرت زبیر بن العوام کی والدہ ماجدہ ہیں (۲) برہ (۳) اروی (۴) امیمہ (۵) ام کلیم۔ یہ خاندان نبوت و رسالت مآب کا مختصر تعارف حاضر خدمت ہے۔ دعا ہے کہ اللہ جل مجدہٗ علم و عمل و اخلاص سے نوازے اور دونوں جہانوں میں کامیاب فرمادیں۔

بقیہ: مواخات مہاجرین و انصار

پاس آئے ہیں اور کچھ بھی ان کو دیا جائے اس کی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچائے گئے۔ وہی فلاح پانے والوں میں ہیں۔

سلسلہ مواخات کے قیام و استحکام کے بعد حضور صلعم نے انصار و مہاجرین کی یگانگی کی طرف سے مطمئن ہو گئے۔ آپکا یہ قدم سراسر حکمت و دانش پر مبنی تھا۔ منافقین و مخالفین کی مفسدہ پردازیوں اور ریشہ دوانیوں کے پیش نظر اگر نبی صلعم کے اس اقدام پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ نے مسلمانوں کی شیرازہ بندی کے سلسلہ اور یہی صحیح اٹھایا اس میں کتنی حکمت، مصلحت اور دور اندیشی پوشیدہ تھی (محمد حسین ہیکل۔ سیرت النبی۔ مدینہ میں اولین عہد۔ ص، ۲۸۸)

جنگ بدر کے بعد حالات بدل گئے، مسلمان مستحکم ہو گئے۔ رحمت العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن تربیت کی بدولت مدینہ منورہ میں گروہ در گروہ ایسے افراد اسلامی دائمی نور سے روشن ہو گئے جن کے اخلاق و اوصاف اور ایسے ہی محاسن و محامد نے قوموں کو پستی و گمنامی کی تاریک گہرائی سے نکال کر انسانیت عالیہ کی انتہائی اوج ثریا پر جا بٹھایا۔ آخر سورۃ انفال میں حکم صادر ہوا۔

واولوا الارحام ..... کتاب اللہ (الانفال، ۷۵)

ترجمہ:۔ اور قرابت دار تو وہ اللہ کے حکم سے ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حقدار ہیں۔

اس آیت نے ماقبل کے تمام احکامات منسوخ کر دیئے میراث کے بارے میں مواخات ختم ہو گئی۔ اور ہر انسان کی میراث اس کے بعد اس کے نسب و ورثہ کی طرف لوٹ آئی۔

یادِ یارانِ رسولؐ

شاعرِ اہلسنت مداحِ صحابہؓ حضرت سرشار کسمنڈوی مرحوم و مغفور

بہارِ گلشنِ طیبہ کے منظر یاد آتے ہیں
گلستانِ خلافت کے گُلِ تر یاد آتے ہیں

ہمیشہ جاں نثارانِ پیمبر یاد آتے ہیں
جو دُنیا جگمگاتے تھے وہ گوہر یاد آتے ہیں

چراغِ مسجد و محراب و ممبر یاد آتے ہیں
ابوبکر و عمر عثمان و حیدر یاد آتے ہیں

زبیر و طلحہ و عباس و جعفر یاد آتے ہیں
وہ شیدائے نبی - اخلاص پیکر یاد آتے ہیں

سرِ تسلیم خم تھے جن کے اندازِ نبوت پر
ادب سے دم بخود رہتے تھے آوازِ نبوت پر

ہماری جب نظر پڑتی ہے آغازِ نبوت پر
فداکاری کے وہ جذبات اکثر یاد آتے ہیں

زمین و آسماں کروٹ بدلتے ہیں پئے ہجرت
مدینہ کا ارادہ کرکے چلتے ہیں پئے ہجرت

رسول اللہ مکہ سے نکلتے ہیں پئے ہجرت
رفاقت کیلئے صدیق اکبر یاد آتے ہیں

نہیں ملتے انیسِ شامِ تنہائی نہیں ملتے
شبِ ہجرت رفیقِ راہ پیمائی نہیں ملتے

خدا ملتا ہے لیکن ایسے شیدائی نہیں ملتے
ہمیں حالاتِ غارِ ثور اکثر یاد آتے ہیں

دعا کی نصرتیں شامل تھیں اقرارِ رسالت میں
"عمر" اس شان سے آتے ہیں دربارِ رسالت میں

ہزاروں بانکپن تھے اس فداکارِ رسالت میں
وہ عالم یاد آتے ہیں وہ تیور یاد آتے ہیں

نظر انداز ہو سکتے نہیں اخلاص کے رشتے
چھپائے سے کہیں چھپتے ہیں حُسنِ خُلق کے جلوے؟

"عمر" سبطین[1] کو سب سے سوا ہر چیز دیتے تھے
محبت کے وہ افسانے برابر یاد آتے ہیں

نقوشِ معرفت ہر قلبِ مومن میں ابھرتے ہیں
کمالِ صبر و استقلال کے جلوے نکھرتے ہیں

تلاوت جب کبھی ہم آیۂ "یکفی"[2] کی کرتے ہیں
حیاء گستر، شہیدِ حلم پرور یاد آتے ہیں

۱؎ سیدنا حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما، سبط، نواسہ۔ ۲؎ یعنی سورۂ بقرہ کے سولھویں رکوع کی وہ آیت جس پر شہادت کے وقت حضرت عثمانؓ کا خون گرا۔

نئے فتنے کا دنیا میں کبھی جب شور ہوتا ہے — نمایاں جب کسی "فرقہ" کے دل کا چور ہوتا ہے
نظامِ عالم اسباب جب کمزور ہوتا ہے — علی شیرِ خدا، فاتحِ خیبر یاد آتے ہیں

نظر کے سامنے ہے آج بھی آئینہ ہر منظر — جمالِ رحمۃ للعلمین کے سایہ میں اٹھ کر
گرے جو برق بن کر عظمتِ کسریٰ و قیصر پر؟ — ہمیں شمشیرِ "خالد" کے وہ جوہر یاد آتے ہیں

مشیت کا کرم راہِ عمل میں کارفرما تھا — خدا کی رحمتیں تھیں شاملِ اہلِ وفا کیا کیا؟
کبھی جب فخر کر آجاتا ہے جنگِ قادسیہ کا — بشارت یاب "سعد" فتح پیکر یاد آتے ہیں

شرف افروز تھی جن کی وفا چشمِ پیمبر میں — شجاعت جن کے حصہ میں بسالت جن کے پیکر میں
جو بیباکی سے گھوڑے ڈال دیتے تھے سمندر میں — ہمیں اب وہ رضاءِ حق کے خوگر یاد آتے ہیں

جہادوں میں چمکتی تھی خدا کی تابشِ نصرت — صفاءِ قلب کی اللہ اکبر رفعت و عظمت
جنہوں نے روم سے کی دور شرک و کفر کی ظلمت — امیرِ شام[4] کے پرجوش لشکر یاد آتے ہیں

عبادات یا ریاضت کا اگر کچھ ذکر آتا ہے؟ — محبت کا اخوت کا۔ اگر کچھ ذکر آتا ہے؟
شجاعت اور بسالت کا اگر کچھ ذکر آتا ہے — تو خولہ بنتِ ازور، ابنِ ازور[5] یاد آتے ہیں

عرب کے ریگزاروں میں "صحابہ" مظہرِ حق تھے — خلافت کی بہاروں میں صحابہ مظہرِ حق تھے
وفا کے شاہکاروں میں صحابہ مظہرِ حق تھے — کوئی بھولے مگر ہم کو برابر یاد آتے ہیں

بحمد اللہ قدح نوشِ مئے مدحِ صحابہ ہیں — ہم ایسے "سرشار" مدہوشِ مئے مدحِ صحابہ ہیں
زہے قسمت! ہزار جوشِ مئے مدحِ صحابہ ہیں — ہمیشہ ہم کو جامِ حوضِ کوثر یاد آتے ہیں

---

[4] یعنی امیر المومنین خال المسلمین (اہلِ اسلام کے ماموں) امام عادل وکریم امیر سخی وحلیم خلیفہ مجتہد کاتب الوحی سیدنا ابو عبدالرحمن معاویہ بن سیدنا ابی سفیان صخر بن حرب علی نبینا وعلیہم السلام والرضوان

[5] سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عم زاد ہمشیرہ اور بھائی رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

نام و نسب

اسم مبارک معاویہؓ، آپ عرب کے مشہور ومعروف قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے ہیں جو اپنی شرافت ونجابت اور دوستی میں پورے عرب میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا اسی قبیلہ کو یہ شرف حاصل تھا کہ اس میں آقائے دوجہاں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ حضرت معاویہؓ قریش کے اس نامور خاندان بنو اُمیّہ سے تعلق رکھتے تھے۔

حضرت معاویہؓ کے والد، حضرت ابوسفیانؓ اسلام لانے سے قبل ہی اپنے خاندان میں ممتاز حیثیت کے مالک اور قبیلہ کے معزز سرداروں میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کا شجرۂ نسب یہ ہے۔

"ابوسفیان بن حرب بن اُمیّہ بن عبدالشمس بن عبدالمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (الملقب بہ قریش) بن مالک بن نضر"

ولادت

امیر المومنین حضرت معاویہؓ کی ولادت بعثتِ نبویؐ سے پانچ (۵) سال قبل ہوئی (۶۰۵ء)[1]

قبول اسلام

آپؓ ظاہری طور پر فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے۔ مگر درحقیقت آپؓ اس سے قبل ہی اسلام قبول کرچکے تھے۔ لیکن بعض مجبوریوں کی بناء پر ظاہر نہ کیا تھا۔ مشہور مورخ واقدی کہتے ہیں کہ آپ صلح حُدیبیہ کے بعد ہی ایمان لے آئے تھے۔ مگر آپ نے اپنے اسلام کو چھپائے رکھا۔ اپنے اسلام کو چھپائے رکھنے اور فتح مکہ کے موقع پر ظاہر کرنے کی وجہ خود حضرت معاویہؓ نے بیان کی ہے۔ چنانچہ فاضل مورخ ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت معاویہؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں عمرۃ القضا سے پہلے اسلام لے آیا تھا، مگر مدینہ جانے سے ڈرتا تھا کیونکہ میری والدہ کہا کرتی تھیں کہ اگر تم گئے تو ہم ضروری اخراجاتِ زندگی دینا بھی بند کردیں گے۔ اس عذر اور دوسری مجبوریوں کی بناء پر آپ نے اپنے والد کے ہمراہ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لانے کا اعلان کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بدر، اُحد، خندق اور غزوۂ حُدیبیہ میں آپ کفار کی جانب سے شریک نہ ہوئے، حالانکہ اس وقت آپ جوان تھے، آپ کے والد ابوسفیان سالار کی حیثیت سے شریک ہورہے تھے اور آپ کے ہم عمر جوان بڑھ چڑھ کر مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لے رہے تھے، ان تمام باتوں کے باوجود آپ کا شریک نہ ہونا ظاہر کرتا ہے کہ اسلام کی حقانیت ابتداء ہی سے آپ کے دل میں گھر کر چکی تھی[2]

تعلیم و تربیت

ماں باپ نے آپ کی تربیت خاص طور پر کی اور مختلف علوم و فنون سے آپ کو آراستہ کیا اور اُس دور میں جبکہ لکھنے پڑھنے کا رواج بالکل نہ تھا اور عرب پر جاہلیت کی گھٹا ٹوپ تاریکی چھائی ہوئی تھی آپ کا شمار مالدار لوگوں میں ہوتا تھا[3]

دیگر حالات

جلیل القدر صحابی امیر المومنین حضرت معاویہؓ

۱؎ سیدہ عائشہ صدیقہؓ، سیدہ فاطمہؓ بنتِ رسولؐ (تیسری صاحبزادی) اور امیر المومنین معاویہؓ کی پیدائش ایک ہی سال کی ہے صرف چند ماہ [illegible]
بحوالہ کتاب المختصر صفحہ ۷۷

۲؎ ابن حجر: الاصابہ ص ۴۱۲ ج ۳ مطبوعہ مصر ۱۳۲۸ھ ۳؎ ابن کثیر البدایہ والنہایہ ص ۲۱ جلد ۸ مطبوعہ مصر ۱۹۳۹ء

عالمِ اسلام کی ان گنی چنی ہستیوں میں سے ایک ہیں جن کے احسان سے یہ اُمت مسلمہ سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ آپ اُن چند کبار صحابۂ کرام رضؓ میں سے ہیں جن کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسلسل حاضری اور حق تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ وحی کو لکھنے کا شرف حاصل ہے پھر آپ اسلامی دنیا کی وہ مظلوم ہستی ہیں جن کی خوبیوں اور ذاتی محاسن و کمالات کو نہ صرف نظر انداز کیا گیا بلکہ اُن کو چھپانے کی پیہم کوششیں کی گئیں، آپ پر بے بنیاد الزامات لگائے گئے، آپ کے متعلق ایسی باتیں گھڑی گئیں اور اُن کو پھیلایا گیا جن کا کسی عام صحابی سے تو درکنار کسی شریف انسان میں بھی پایا جانا مشکل ہے۔

امیر المومنین حضرت معاویہؓ کے خلاف جس شدّ و مد کے ساتھ پروپیگنڈے کا طوفان کھڑا کیا گیا، اس کی وجہ سے آپ کا وہ حسین و ذاتی کردار نظروں سے بالکل اوجھل ہوگیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت نے پیدا کیا تھا۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج دنیا حضرت معاویہؓ کو بس جنگ صفین کے قائد کی حیثیت سے جانتی ہے لیکن وہ حضرت معاویہؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منظور نظر تھے، جنہوں نے کئی سال تک آپؐ کے لئے کتابتِ وحی کے اہم اور نازک فرائض سرانجام دیئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے علم و عمل کے لئے بہترین دعائیں لیں۔ جنہوں نے حضرت عمر فاروقؓ جیسے خلیفہ کے زمانے میں اپنی قائدانہ صلاحیتوں کا لوہا منوایا، اور جنہوں نے تاریخ اسلام میں سب سے پہلا بحری بیڑہ تیار کیا، اپنی عمر کا بہترین حصہ رومی عیسائیوں کے خلاف جہاد میں گزارا اور ہر بار اُن کے دانت کھٹے کئے۔ آج دنیا ان کو فراموش کرچکی ہے۔ لوگ تو یہ جانتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ وہ ہیں جن کی حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ ہوئی تھی۔ لیکن قبرص، روڈس، صقلیہ اور سوڈان جیسے اہم ممالک کس نے فتح کئے؟ سالہا سال کے باہمی خلفشار کے بعد عالم اسلام کو پھر سے ایک جھنڈے تلے کس نے جمع کیا؟ جہاد کا جو فریضہ تقریباً متروک ہو چکا تھا اُسے از سر نو کس نے زندہ کیا؟ اور اپنے عہد حکومت میں حالات کے مطابق شجاعت و جواں مردی، علم و عمل حلم و بردباری، امانت و دیانت اور نظم و ضبط کی بہترین مثالیں کس نے قائم کیں؟ یہ ساری باتیں وہ ہیں جو پروپیگنڈے کی غلیظ تہوں میں چھپ کر رہ گئی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ کے زمانے میں کتابتِ وحی کا کام جتنا نازک تھا اور اس کے لئے جس احساسِ ذمہ داری، امانت و دیانت اور علم و فہم کی ضرورت تھی وہ محتاج بیان نہیں۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسلسل حاضری کتابت وحی، امانت و دیانت اور دیگر صفاتِ محمودہ کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار آپ کے لئے دعا فرمائی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

اے لوگو! تم میرے بعد آپس میں فرقہ بندی سے بچنا اور اگر تم نے ایسا کیا تو سمجھ لو معاویہؓ شام میں موجود ہیں۔

حضرت قبیصہ بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا قول ہے:۔

میں نے کوئی آدمی ایسا نہیں دیکھا جو (حضرت) معاویہؓ سے بڑھ کر بُردبار، ان سے بڑھ کر سیادت کا لائق، ان سے زیادہ باوقار، ان سے زیادہ نرم دل اور نیکی کے معاملہ میں اُن سے زیادہ کُشادہ دل ہو

اس کے علاوہ اُن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور عقیدت کا بخوبی اندازہ یہاں سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے آپؐ کے ناخن مبارک ایک شیشی میں محفوظ کئے ہوئے تھے اور وصیت کی تھی کہ جب میرا وصال ہو تو وہ ناخن میرے منہ میں ڈال دینا تاکہ اُن کی برکت سے اللہ مجھے بھی نارِ جہنم سے نجات عطا فرمائے۔

ان روایات سے قطعی طور پر یہ ثبوت مہیا ہوتا ہے کہ نہ صرف صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بلکہ پوری اُمتِ مسلمہ میں آپ کی فضیلت مسلم ہے۔ اس کے علاوہ ایک حدیث میں خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ میرے تمام صحابہ حق و انصاف پر ہیں تو پھر کس طرح کسی صحابی پر انگلی رکھنے کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ پس نتیجۃً یہ بات الم نشرح ہے کہ صحابۂ کرامؓ آپ کے متعلق کیا رائے رکھتے

اور ان کی نظر میں آپ کا کیا مرتبہ تھا؟ قارئین کرام خود فیصلہ کریں

شمائل وخصائل

آپ ایک وجیہہ اور خوبصورت انسان تھے۔ رنگ گورا تھا۔ اور چہرہ پُر وقار و پُر رعب تھا۔ حضرت مسلمؓ فرماتے ہیں کہ معاویہؓ ہمارے پاس آتے اور وہ لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت اور حسین تھے۔ اسی ظاہری حُسن وجمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سیرت کی خوبیوں سے نوازا تھا۔ چنانچہ ایک بہترین عادل حکمران میں جو اوصاف ہو سکتے ہیں وہ سب آپ کی ذات میں موجود تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ تم قیصر وکسریٰ اور ان کے علم ودانش کی تعریف کرتے ہو۔ حالانکہ تم میں معاویہؓ موجود ہیں۔

آپ اس درجہ کے حلیم اور بردبار تھے کہ آپ کا حلم ضرب المثل بن گیا اور آپ کے تذکرہ کے ساتھ حلم کا تصور اتنا لازم ہو گیا کہ بغیر اس کے آپ کا تذکرہ نامکمل ہے۔ آپ کے مخالفین آپ کے پاس آتے اور بسا اوقات انتہائی نازیبا رویہ اختیار کرتے اور سخت کلامی کے ساتھ پیش آتے۔ مگر آپ اسے ہنسی میں ٹال دیتے یہ وہ حُسن سلوک تھا جس نے بڑے بڑے سرداروں اور مخالفین کو آپ کے سامنے سرنگوں ہونے پر مجبور کر دیا۔ مگر یہ سب حلم اور بردباری اس وقت تک ہوتی تھی جب تک دین اور سلطنت کے امور پر زد نہ پڑتی ہو۔ اسی وجہ سے اگر کہیں سختی کرنے کا موقعہ ہوتا تو سختی بھی فرماتے اور اصولوں پر کسی قسم کی مداہنت برداشت نہ کرتے۔

عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر گہرا تعلق اور عشق تھا کہ ایک مرتبہ آپ کو پتہ چلا کہ بصرہ میں ایک شخص ہے۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت مشابہت رکھتا ہے آپ نے وہاں کے گورنر کو خط لکھا کہ تم فوراً اسے عزت واکرام کے ساتھ یہاں روانہ کر دو۔ چنانچہ اسے پورے آداب واکرام کے ساتھ لایا گیا۔ آپ نے آگے بڑھ کر اس کا نہایت پرتپاک طریقے سے استقبال کیا، اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اس کو خلعت وانعامات سے نوازا۔

خشیّتِ باری تعالیٰ

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں جن سے آپ کے اندر خوف وخشیّتِ ایزدی اور فکر آخرت کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ مواخذہ آخرت کے خوف سے لرزہ براندام رہتے تھے۔ اور اس کے عبرت آموز واقعات سُن کر زاروقطار روتے تھے۔

سادگی اور فقر واستغنا

حضرت معاویہؓ کے مخالفین نے اس بات کا پروپیگنڈہ بڑی شدومد کے ساتھ کیا ہے کہ آپ ایک جاہ پسند انسان تھے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے آپ کو دمشق کی جامع مسجد میں خطبہ دیتے ہوئے دیکھا کہ آپ کے کپڑوں پر پیوند لگے ہوئے ہیں یہ تو آپ کی طبعی سادگی اور استغنا کی شان تھی مگر شام کی گورنری کے دوران آپ نے ظاہری شان وشوکت کے طریقے بھی اختیار کئے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ علاقہ سرحدی علاقہ تھا اور آپ چاہتے تھے کہ کفار کے دلوں پر مسلمانوں کی شان وشوکت کا دبدبہ قائم رہے۔

وفات

۶۰ھ میں جب کہ آپ کی عمر اٹھہتر ویں منزل سے گزر رہی تھی، طبیعت ناساز ہوئی اور پھر برابر بگڑتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ چند روز علیل رہ کر اسلام کا یہ بطل جلیل اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملا! ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!

دعاءِ مغفرت

- میرے مخلص ومہربان جناب پیر سید حق پیر شاہ صاحب آف راولپنڈی کے والد گرامی جو حافظ القرآن تھے طویل عمر پا کر انتقال کر گئے۔ اتنی عمر کے باوجود نماز بلکہ نوافل تک قضا نہ ہوتے اور تلاوت قرآن کی خوراک تھی۔

خدا کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ ہم شریکِ غم ہیں۔

- اسی طرح محمد احمد نقشبندی صاحب آف کراچی کے بھائی شہید کر دئے گئے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ اور پسماندگان کو صبر!

- اور حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ کے خاص مرید پیر سید بشارت علی شاہ عید الاضحیٰ کے روز بعد از مغرب قضائے الٰہی سے اچانک رحلت فرما گئے ہیں۔ مرحوم نہایت پابند صوم وصلوٰۃ اور پرہیزگار تھے۔ مرحوم سید مشتاق حسین بخاری مرحوم (خدام الدین کے اعزازی مینیجر) کے بھائی اور شاہد حسین بخاری کے ماموں تھے اللہ تعالیٰ رحمت ومغفرت سے سرفراز فرمائے۔ آمین!

(مدیر)

ہندوستان میں تحریک آزادیٔ اسلام کے عظیم سپہ سالار

چراغِ ولی اللّٰہی

شاہ محمد اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ

ہے اُسوۂ اسلاف بہ اندازِ بہاراں
کانٹے کبھی پھولوں میں چھپایا نہیں کرتے

(از ناچیز حبیب احمد ... کراچی)

و[illegible]

جہاد باللسان، جہاد بالقلم اور جہاد بالسیف کا نمونہ اگر علمائے متاخرین میں دیکھنا چاہیں تو حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ پر نظر پڑتی ہے۔ اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ خبردار رہو۔ اولیاء اللہ پر نہ خوف طاری ہوتا ہے۔ اور نہ حزن و ملال۔ اس نوشتۂ حقیقت کی روشنی میں حضرت شہید کے حالات زندگی پڑھنے سے معلوم ہے کہ وہ صف اول کے اولیاء اللہ میں سے تھے۔ اور ان کی زندگی اس آیت کی پوری پوری اتباع میں بسر ہوئی۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، فرما دیجئے۔ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العلمین کے لئے ہے۔ مختصر الفاظ میں ان کی شخصیت کی جامع تعریف یہ ہے کہ وہ عالم باعمل تھے۔

ولادت

امام العلماء مسند المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے فرزند حضرت شاہ عبد الغنیؒ حضرت شاہ عبد القادرؒ حضرت شاہ عبد العزیزؒ اور حضرت شاہ رفیع الدینؒ کی علمی خدمات اور اشاعت قرآن و حدیث کے احسانا کا اعتراف جس قدر بھی کیا جائے کم ہے۔ اسی برگزیدہ خانوادے میں بتاریخ ۱۲ ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ کو اللہ پاک نے حضرت شاہ عبد الغنیؒ کو ایک لڑکا عطا فرمایا جس کا نام محمد اسمٰعیل رکھا گیا۔

تربیت اور تعلیم

اس بچے نے بزرگوں کی دعاؤں کی برکتوں میں پرورش پائی اور بچپن ہی سے علم و عمل کی مجلسوں میں تربیت حاصل کی۔ آٹھ برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ گیارہ برس کی عمر تک عربی قواعد کی کتابیں پڑھ ڈالیں۔ فلسفہ، کلام، منطق، معانی، ادب، ریاضی، جغرافیہ، تاریخ اور حدیث میں قابلیت پیدا کی۔ اکثر کتابیں اپنے چچا حضرت شاہ عبد العزیزؒ سے پڑھیں۔ ذہن کی تیزی اور یادداشت کا یہ حال تھا کہ کتاب کو ایک دفعہ پڑھتے ہی پورے پورے مضامین زبانی یاد ہو جاتے تھے۔

تعلیم کے دوران میں آپ نے مناسب وقت کھیل اور ورزش میں صرف کیا۔ گتکا۔ پٹا۔ گھوڑے کی سواری تیراندازی نشانہ بازی، سپہ گری اور تیراکی میں حد درجہ کمال کو پہنچے۔ ایک دن آپ کے ہم سبقوں نے حضرت شاہ صاحب سے شکایت کی کہ میاں اسمٰعیل کتابوں کے پڑھنے میں پورا وقت نہیں دیتے، انہوں نے آپ سے پوچھا۔ اسمٰعیل کیا بات ہے۔ تم کھیل کود میں لگے رہتے ہو، کتابوں کا مطالعہ نہیں کرتے۔ بولے "چچا ابا۔ جو کچھ سب جماعت نے پڑھا ہے مجھ سے دریافت فرمالیں" شاہ صاحب نے چند سوالات کئے۔ آپ نے اس خوبی سے جوابات دیئے کہ سب ہم سبق حیران رہ گئے۔

گتکا اور پٹا مرزا رحمت اللہ بیگ سے سیکھا۔ جن کی مہارت کا یہ حال تھا کہ شہزادے ان کی شاگردی کے خواہاں رہتے تھے۔ مکان کے قریب اکھاڑہ کھود رکھا تھا۔ جس میں مہینوں پہلوانی کی۔ پھر تیرنے کا شوق ہوا۔ اس میں اس قدر شغف بڑھا کہ تین تین دن تک دریائے جمنا میں تیرنے کی مشق کرتے۔ دم بڑھانے کے لئے کئی بار تیرتے ہوئے دہلی سے آگرہ تک گئے اور واپس آئے۔

علم لدنی

اتباع سنت، خلوص، راستی اور بے باکی آپ کی تحریر و تقریر کے جوہر تھے۔ تقریر درجہ اثر انگیز اور اللہ و رسول کی طرف رجوع کرنے والی تھی۔ بڑے بڑے علماء آپ کی تقریر پر حیران رہ جاتے تھے۔ قرآن و حدیث کے معارف اس خوبی کے ساتھ بیان

فرماتے کہ علوم و فنون کے دریا بہتے ہوئے معلوم ہوتے۔ ایک دفعہ ایک مجلس میں قرآن مجید کے ایک رکوع کی تفسیر بیان فرمائی۔ مشہور علمائے وقت مولانا امام بخش صہبائی اور مفتی صدر الدین وغیرہ شریک مجلس تھے۔ وہ اس قدر متاثر ہو کر اٹھے کہ ایک اور موقع پر انہوں نے آپ سے اس رکوع کی تفسیر کی دوبارہ فرمائش کی۔ آپ نے رکوع کی تلاوت کے بعد تفسیر بیان کی مگر انداز بیان بالکل جداگانہ تھا۔ اس فصاحت اور نکتہ آفرینی کے ساتھ مضمون کو بیان کیا کہ سامعین پہلے سے زیادہ متاثر ہوئے۔ ایک اور موقع پر آپ سے اسی رکوع کے بیان کی فرمائش کی گئی۔ اس مرتبہ آپ نے پہلے دونوں موقعوں سے علیحدہ مضمون کی وضاحت فرمائی اور اس خوبی کے ساتھ کہ حاضرین عش عش کر اٹھے۔

اتباع سنت اشاعت دین اور اتباع سنت کا آپ کو حد درجہ خیال تھا۔ اور اس سلسلہ میں آپ سخت بھی تھے۔ ہر بات سیرت و سنت کی کسوٹی پر پرکھتے اور ہر عمل کو اسوۂ حسنہ کی روشنی میں دیکھتے۔ بہت سی ایسی باتیں جو عموماً شریعت کی حد بندی میں نہیں آتیں۔ مگر عقیدت و محبت کے جذبات کی وجہ سے اہل زمانہ میں جائز سمجھی جاتی تھیں ان کی نظر میں ناقابل تسلیم تھیں۔

للہیت ایک دن مراد آباد میں وعظ بیان فرمایا۔ جب وعظ ختم ہو چکا اور سب لوگ گھر سے باہر نکلنے لگے تو ایک بوڑھا شخص دروازہ پر آپ سے ملا۔ وہ آپ کے وعظ کی خبر سن کر آیا تھا۔ اس نے آپ سے پوچھا کیا وعظ ختم ہو گیا آپ نے فرمایا ہاں۔ وہ وعظ سے محروم رہنے پر بہت افسردہ ہوا اور کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ آپ نے فرمایا۔ افسوس نہ کرو۔ میں تمہیں بھی وعظ سنا دوں گا۔ چنانچہ اس بوڑھے شخص کو ایک مسجد میں لے گئے اور پورا وعظ جو پہلے بیان کیا تھا اسے سنا کر مطمئن کیا۔ یہ حسن سلوک آپ کی للہیت اور لوگوں کی نجات کی دردمندی کی وجہ سے تھا۔ ورنہ اس درجہ کے اللہ سے محبت کرنے والے اور انسانوں کے خیر خواہ کہاں ملتے ہیں۔

روحانی فیض حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے عربی کی ایک کتاب کافیہ کے اسباق پڑھے۔ اس لحاظ سے وہ آپ کے شاگرد ہوئے۔

مگر ایک وقت ایسا آیا کہ آپ نے مزید روحانی فیض حاصل کرنے کے لئے حضرت سید احمد بریلویؒ کو اپنا مرشد منتخب فرما[یا] اور بیعت ہو کر ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ آپ علوم دین میں فارغ التحصیل اور متبحر عالم تھے۔ خاندانی وجا[ہت] اس کے علاوہ تھی۔ اور حضرت سیّد احمد بریلویؒ نے کافیہ سے آگے کتابیں نہ پڑھی تھیں۔ اس پر لوگوں کو تعجب ہوا۔ آپ نے حضرت سید احمد بریلویؒ سے بیعت ہونے کی یہ دو با[تیں] بیان فرمائیں۔

۱۔ فرمایا ایک دن بارش ہو رہی تھی۔ میں نماز کے و[قت] مسجد میں پہنچا۔ اتفاق سے اس مسجد کی چھت درمیان [میں] سے ٹپکتی تھی۔ جماعت کے وقت سب نمازی اِدھر اُدھ[ر] ہو گئے ٹپکنے والی جگہ صف میں خالی رہی۔ سیّد صاحب و[ہاں] آ کر کھڑے ہو گئے۔ اور سب پانی ان پر پڑا۔ یہ دیکھ کر [میں] سمجھ گیا کہ یہ شخص بہت بڑا متبع سنت ہے۔

۲۔ جب میں نے حضرت سید احمد بریلویؒ سے بیعت ہونے کا قصد کیا تو مزید اطمینان کے لئے حضرت سیّد [صاحب سے] عرض کیا کہ مجھے دو رکعتیں موافق حدیث لَا تحدّث فی[ہما] نَفْسَہٗ پڑھا دیں۔ بولے وضو کر لو۔ نماز پڑھائی اور در[میان] نماز ماسوا کا کوئی خطرہ دل میں پیدا نہیں ہوا۔

شیخ کی محبت اور ادب حضرت سید احمد بریلو[ی] سے بیعت ہونے کے ب[عد] آپ نے پیر کی محبت اور ادب کی حد درجہ عظیم مثال قائم فر[مائی]۔ آپ خاندان ولی اللہ کے شہزادے تھے۔ اہل زمانہ اور [اہل] وقت کی نظروں میں بہت اونچا مرتبہ رکھتے تھے۔ لیکن حضر[ت] سید احمد بریلویؒ کا مرید ہو کر آپ نے ان کی کفش برداری کو اعزاز سمجھا۔ جب حضرت کہیں ٹھہرتے تو آپ اُن کے جو[تے] اپنے پاس رکھتے اور جب پالکی میں سوار ہو کر ایک جگہ سے [دوسری] جگہ روانہ ہوتے تو آپ ان کے جوتے اپنی بغل میں دبا کر پا[لکی کے] پیچھے پیچھے بھاگتے ہوئے ساتھ جاتے۔

اللہ اللہ! اہل اللہ کی آپس میں محبت کا کیا انداز ہے [۔] حضرت سید کو آپ سے کس درجہ محبت ہو گی۔ اس کا انداز[ہ] کچھ مشکل نہیں۔ ہاں یہ سب اللہ اور اس کے محبوب [صلی اللہ علیہ وسلم] کی محبت کی وجہ سے تھا۔

اشاعت اسلام وعظ و تبلیغ اور اشاعت اسلام کا

قدرتی کہ کوئی دن ایسا نہ گزرتا تھا جہیں آواز حق بلند کرنے میں مصروف نہ رہتے تھے۔ کوچہ کوچہ اور گھر گھر آپ کے وعظ وتقریر کا سلسلہ وسیع ہوتا گیا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ طبائع کے اختلاف سے لوگوں میں آپ کے متعلق موافقت اور مخالفت کے قدرتی جذبات پیدا ہوئے۔ مگر اس میں بھی اللہ پاک کی مصلحت تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جو موافق ہوئے وہ ایسے کہ انہوں نے آخر دم تک آپ کا ساتھ دیا۔ اور جہاد کے مقدس فریضہ میں آپ کی کمان میں لڑے اور جنہوں نے مخالفت کی ان کی علمی بحثوں سے لوگوں میں تعلیم مذہب کی طرف خاصی توجہ پیدا ہوئی۔

آپ کی قوت برداشت، تاثیر تقریر اور اشاعتِ دین کے چند واقعات نہایت مشہور ہیں۔

قوت برداشت ایک دفعہ مخالفوں نے آپ کو ایذا پہنچانے کے لئے دو پہلوان مقرر کئے۔ دوپہر کے وقت یہ دونوں چھتری لگائے جامع مسجد فتحپوری میں پہنچے۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جون کے مہینے کے سخت ترین گرم دوپہر میں جب کہ آسمان سے آگ برسائے کا جواب زمین شعلے اگلنے کی صورت میں دے رہی تھی حضرت شہید مسجد کے پتھریلے فرش پر ننگے پاؤں ادھر ادھر گھوم رہے ہیں۔ اور مجذوبانہ کیفیت طاری ہے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر پوچھا آپ ان تپتے ہوئے پتھروں پر کیوں پھر رہے ہیں فرمایا۔ برداشت کی قوت پیدا کر رہا ہوں تاکہ اللہ کی راہ میں جہاد کے دن کام آئے۔ یہ سن کر وہ بہت متاثر ہوئے اور توبہ کر کے بیعت ہو گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ دونوں آپ کے ساتھ جہاد میں گئے اور کافروں کے ساتھ لڑ کر شہید ہوئے۔ اللہ اللہ جو لوگ آپ کو شہید کر[illegible] ارادے سے آئے وہ خود شہادت کی نعمت سے مالا مال ہوئے۔

تاثیر تقریر ایک دن آپ جامع مسجد دہلی کی سیڑھیوں پر کھڑے ہوئے وعظ فرما رہے تھے کہ ایک مخنث اُدھر آ نکلا۔ وہ مہندی لگائے زیور پہنے اور بھڑکیلے لباس میں ملبوس تھا۔ اسے تفریح کی سوجھی۔ آپ کے قریب جا پہنچا اور تماشا بن کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے لگا۔ آپ نے اس کی طرف توجہ فرمائی۔ اور اس کے رنگ ڈھنگ کی برائی پر اللہ کے مواخذے اور عذابِ آخرت کا بیان اس جذبہ کے ساتھ کیا کہ وہ زیادہ دیر تک تاب نہ لا سکا۔ اس قدر متاثر ہوا کہ چوڑیاں توڑ ڈالیں۔ زیور اتار پھینکا اور مہندی کا رنگ چھڑانے کے لئے ہاتھوں کو سیڑھیوں پر اتنا زیادہ رگڑا کہ خون بہنے لگا۔ آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی۔ وہ سچے دل سے تائب ہو گیا۔ لکھا ہے کہ وہ حج سے مشرف ہوا اور اکوڑہ کی لڑائی میں آٹھ سکھوں کو مار کر شہید ہوا۔

اشاعتِ دین ایک دن آپ مدرسہ رحیمیہ دہلی کے باہر تشریف فرما تھے کہ زنانِ بازاری کا بہت بڑا ہجوم رتھوں اور بہلیوں میں سڑک پر گزرا۔ آپ نے ان عورتوں کے بارے میں دریافت کیا۔ لوگوں نے بتایا یہ مسلمان رنڈیاں ہیں جو اپنی ہم پیشہ عورتوں کے یہاں جشنِ نوروز میں حصہ لینے کے لئے جا رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا جب یہ مسلمان ہیں تو ہماری بہنیں ہیں۔ اللہ پاک ہم سے پوچھے گا کہ اس قدر مسلمان عورتیں بدکاری میں گرفتار تھیں اور تم نے ان کو نصیحت نہیں کی انہیں نصیحت کرنا چاہیئے میں ان کے مکان پر جا کر انہیں نصیحت کروں گا۔ لوگوں نے آپ کو منع کیا۔ اور کہا کہ ان کے گھر جانا آپ کی شان اور وضع کے خلاف ہے۔ آپ نہ مانے دین کی اشاعت کی تڑپ کشاں کشاں آپ کو اُن کے دروازے پر لے گئی۔ آپ نے دستک دی۔ اے اللہ والیو اے اللہ والیو" خادمہ دروازے پر آئی۔ پوچھا کون ہو۔ فرمایا فقیر ہوں دعا دوں گا۔ وہ آپ کو اپنے ساتھ جشن میں لے گئی۔ [illegible] نے حیرت اور استفسار کی نظروں سے آپ کو دیکھا اگرچہ درویشانہ حالت تھی مگر فوراً ہی مملکت اسلام کے سردار کو سب نے پہچان لیا۔ آپ کے لئے مسند خالی کر کے خود فرش پر بیٹھ گئیں۔ آپ نے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ اللہ کے کلام اور آپ کے خلوص نے وہ اثر دکھایا کہ اکثر عورتیں ہوش کھو بیٹھیں۔ تلاوت کے بعد وعظ فرمایا۔ دنیا کی بے ثباتی بیان کی۔ عذاب قبر کا حال سنایا۔ قیامت کی سختیوں کا تذکرہ فرمایا۔ اور بدکاری کی دردناک سزاؤں سے خوف دلایا۔ ہر طرف سے گریہ وزاری اور فریاد وفغاں کا طوفان اٹھا۔ مجلس میں ہر طرف اللہ کے خوف سے لرزا طاری ہو گیا۔ اس وقت آپ نے توبہ کی خوبیاں بیان کیں اور رحمتِ خداوندی کا بیان فرما کر سب کو تسلی دی۔ پھر نکاح کی فضیلت بیان فرمائی۔ آپ کی نصیحت کا یہ اثر ہوا کہ قابل نکاح رنڈیوں نے نکاح کر لئے۔ اور بوڑھیوں نے مزدوری کر کے روزی کمانا اختیار کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سکھوں کے ساتھ جہاد کے موقع پر گھوڑوں کا دانہ پیسنے

کی خدمت انجمن کی مانند اپنے ذمہ لی ہوئی تھی۔

بے باک ضمیر آوازِ حق بلند کرنے میں آپ کے نزدیک عوام کی مخالفت اور خواص کی خفگی ایک جیسی بے اثر تھی۔

ایک دفعہ بادشاہ اکبر ثانی نے آپ کو قلعہ معلیٰ میں طلب کیا۔ آپ نے جواب بھیجا کہ اگر آپ یاد فرماتے ہیں تو مجھے ان قیود سے معاف رکھا جائے جو دربار کا خاصہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے خلاف ہیں۔ بادشاہ نے منظور کر لیا۔ آپ تشریف لے گئے۔ بادشاہ نے آپ کی تکریم کی اور آپ کے خاندان کی تعریف کی۔ پھر لوگوں کی شکایتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا۔ خدانخواستہ آپ کے خیالات ایسے ہو گئے ہوں کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت توہین آمیز خیالات کے اظہار کو بُرا نہ سمجھیں۔ یہ سُن کر آپ نے کلمہ طیبہ پڑھا پھر حضور کے فضائل و مناقب اس ذوق کے ساتھ بیان کئے کہ بادشاہ آبدیدہ ہو گیا اور معذرت چاہی آپ نے دیکھا کہ بادشاہ نے سونے کے کڑے پہن رکھے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کے لئے سونا پہننا حرام کیا ہے اور عذاب کا باعث بتایا ہے۔ بادشاہ نے کڑے اتار آپ کی نذر کر دیئے آپ نے لینے سے انکار فرمایا۔ کہا۔ یہ غریبوں کا حق ہے۔ انہیں دے دیجئے

دورِ ظلمت آپ کا عہد سیاسی بدنظمی اور طوائف الملوکی کا تاریک ترین دور تھا۔ مغلیہ سلطنت کا زوال مکمل ہو چکا تھا۔ فرانسیسیوں۔ انگریزوں۔ مرہٹوں اور سکھوں نے تاخت و تاراج کے متعدد ہنگاموں کے بعد ملک کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ صوبہ پنجاب میں سکھوں کی سختیاں اس حد تک بڑھ چکی تھیں کہ انہوں نے اذان اور نماز کو زبردستی بند کر دیا تھا۔ مساجد کی بے حرمتی عام تھی۔ جہانگیر کا مقبرہ اور شالامار باغ کو ویران کیا جا چکا تھا۔ ظلم و ستم کا دور دورہ تھا۔ مسلمانوں کی زندگی ہر وقت خطرے میں تھی۔

بے مثال مجاہد حضرت شہید کو سکھوں کے مظالم کی داستانیں متواتر پہنچتی رہیں۔ آپ حالات کی جستجو کے لئے بھیس بدل کر سکھوں کے مشہور مقامات پر گئے اور دو سال تک ان کی فوجی طاقت کی ہر قسم کی معلومات لینے کے بعد دہلی واپس آئے۔ اسی اثنا میں حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سکھوں کے خلاف عَلَم جہاد بلند کیا۔ آپ

... مجاہدین کا ایک بڑا لشکر تیار ہوا مناسب سمجھا گیا کہ صوبہ سرحد میں پہنچ کر سکھوں پر حملہ کیا جائے۔ چنانچہ یہ مجاہدین سندھ کی طرف سے افغانستان کی حدود میں داخل ہوئے۔ کئی مقامات پر سکھوں کے لشکروں سے زبردست مقابلہ ہوا۔ جن میں سکھوں کو شکست ہوئی۔

شہادت آخری معرکہ بالاکوٹ کے مقام پر پیش آیا۔ کہتے ہیں کہ اس معرکہ میں بعض مسلمانوں کی غداری سے مسلمانوں کو شکست ہوئی۔

۶ مئی ۱۸۳۱ء مطابق ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ حضرت شاہ اسمٰعیل اسی معرکہ میں شہید ہوئے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حق مہر کا مقصد

اسلام سے قبل خاوند کے گھر میں عورت کی حیثیت ایک ذلیل غلام کے برابر تھی۔ اسلام نے عورت کو ایک خصوصی مقام عطا کیا۔ میراث کے علاوہ خاوند کے ذمہ حسب حیثیت حق مہر کی ادائیگی بھی واجب فرما کر عورت کی قدر و منزلت کو بلند کر دیا گیا ہے۔ حق مہر کا ایک فائدہ یہ ہے کہ بعض اوقات جب خاوند ظلم کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور نہ تو طلاق دیتا ہے نہ روٹی کپڑا۔ تو عورت اپنے وجود کو آزاد کرانے کے لیے حق مہر کا مال واپس کر کے خلع کے ذریعہ طلاق حاصل کر سکتی ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ کسی مصیبت یا سخت ضرورت میں جب اس کا کوئی معاون نہیں ہوتا تو وہ اپنے حق مہر سے اس ضرورت کو پورا کر سکتی ہے اور دوسرے کی احتیاج سے بچ جاتی ہے۔ حق مہر عورت کا خصوصی حق ہے جس کا ادا کرنا نہایت ضروری ہے۔ موت کے بعد اس سے میراث بھی جاری ہو گی۔

جس طرح خیرات وصدقات زکوٰۃ کا بدل نہیں ہو سکتے اسی طرح سے عورتوں کی محض رسمی طور پر اعانت کرنا خلافِ اسلام مذاہب کی پیروی ہے جس سے یہ حقوق ادا نہیں ہوتے اور اس کا قیامت میں بھی سخت مواخذہ ہو گا۔ موجودہ دور کے تمام عائلی فتنے اور ازدواجی بدمزگیاں ان احکام شرعیہ کے خلاف ورزی کا نتیجہ ہیں۔ (ابوالخیر اسعد)

مہمان کی خدمت و عزت اور کھلانے پلانے میں اجر و ثواب اور خیر و برکت

حاجی کمال الدین
مسلم آباد بیت الامان ماڈل ٹاؤن لاہور

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں کہ تو مہمان کو کھلانے پلانے میں کیوں تنگ دل ہو رہا ہے وہ تو اپنا رزق ساتھ لے کر آتا ہے اور خیر و برکت تیرے گھر میں چھوڑ جاتا ہے۔ وہ کریم ذات تو مہمان کے پہنچنے سے پہلے ہی اس کا رزق وہاں پہنچا دیتے ہیں۔ پھر تو کیوں اپنے ماتھے پر بل لا رہا ہے۔ اس کی عزت کرو۔ خدمت کرو اور اپنی حیثیت کے مطابق اچھے سے اچھا کھانا پکوا کر پیش کرو تاکہ تم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور خوشنودی کا پروانہ مل جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ہمیشہ عادت یہ تھی کہ جب تک کوئی مہمان یا ساتھی ان کے دسترخوان پر نہیں ہوتا تھا وہ کھانا نہیں کھاتے تھے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوسروں کو کھلا کر بہت ہی خوش ہوا کرتے تھے۔

ہم لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اگر ہم اپنے مہمانوں دوستوں حاجت مندوں اور فقیروں کو کھلاتے رہیں گے تو ہماری دولت تو جاتی رہے گی۔ اور ہم تو بالکل مفلس اور کنگال بن جائیں گے۔ ہمارا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اگر ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے سچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پختہ ایمان ہے تو پھر ان کا تو یہ فرمان ہے کہ نہیں کمی ہرگز نہیں آئے گی بلکہ زیادتی ہوگی اور خیر و برکت ہوگی۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کی ذات۔ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ اپنے مہمان کی لازماً عزت و خدمت کرے جو شخص اللہ اور روزِ قیامت پر یقین رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے اور جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ بولے تو نیکی کی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔

گویا ایماندار وہ شخص ہوگا جس میں تین صفات ہوں گی۔ (۱) مومن ہو اور مہمان کی عزت نہ کرے (۲) مومن ہو اور اپنے پڑوسی کو تکلیف دے۔ (۳) مومن ہو اور بیہودہ بکواس بکتا پھرے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا اور اگر خدانخواستہ وہ ان تینوں باتوں میں ملوث ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت میں وہ مومن ہی نہیں۔ اس کی زبان پہ تو اسلام ہے۔ لیکن دل میں ایمان نہیں۔

حضرت ابوشریح کعبیؓ کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ کی ذات اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے ہو اسے چاہیئے کہ اپنے مہمان کی تعظیم و تکریم کرے۔ مہمان کا واجبی انعام تو ایک دن رات ہے اور مہمانی تین دن ہے اور اس کے بعد صدقہ ہے۔ اسی طرح مہمان کے لئے بھی جائز نہیں کہ وہ میزبان کے پاس ہی دھرنا ڈال کر بیٹھ جائے۔ یہاں تک کہ وہ تنگ آ جائے۔

سبحان اللہ کہ حضورؐ نے ہر معاملے کے دونوں پہلو نظر میں رکھ کر ارشاد فرمایا کہ جہاں مہمان کے حقوق میزبان پر ہیں وہاں مہمان کو بھی تاکید فرما دی کہ وہ میزبان کی گنجائش سے زیادہ اس کے پاس ٹھہر کر اس کے لئے ناقابل برداشت بوجھ نہ بن جائے ورنہ ایسے بوجھ کو اتار پھینکنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ خدانخواستہ کہیں ایسا نہ ہو کہ گھر والے تنگ آ کر اُسے دھتکار دیں اور اس طرح اپنی عزت اور ان کی خدمت برباد کرنے کا سبب بنے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ چھری جتنی تیزی سے اونٹ کے کوہان کی طرف جاتی ہے اس سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ خیر و برکت اس گھر کی طرف جاتی ہے جس میں لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا ہو۔

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا جس گھر کو مہمانوں کی کثرت نے ڈھانپ رکھا ہو، اس گھر کی طرف خیر و برکت کہیں زیادہ بڑھکر تیزی کے ساتھ جاتی ہے جتنی تیزی سے چھری اونٹ کے کوہان کی طرف جاتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس گھر پر فوراً ہی اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول شروع ہوجاتا ہے۔ اور کوہان کی طرف چھری جانے کا مطلب یہ ہے کہ اونٹ کو ذبح کرنے کے بعد کوہان سے اس کی کھال اتارنا شروع کی جاتی ہے تو اونٹ کے ٹھنڈا ہوتے ہی قصاب چھریاں لے کر اس کے کوہان کی طرف بڑھتے ہیں۔ اس میں چونکہ سرگرمی اور تیزی دکھائی جاتی ہے اس لئے برکت کے جلد آنے کو اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

ابو جحیفہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے حضرت سلمانؓ اور ابودرداؓ کے درمیان بھائی چارا کرادیا۔ ایک دفعہ حضرت سلمانؓ حضرت ابودرداؓ سے ملنے آئے تو اپنی بھاوج یعنی ابودرداؓ کی بیوی کو میلے کچیلے کپڑوں میں پریشان حال دیکھا تو پوچھا بہن تو نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔ وہ کہنے لگی۔ تمہارے بھائی کو تو دنیاداری والے کام کی کوئی ضرورت ہی نہیں، تو پھر میں کس کے لئے بنوں سنوروں۔ اتنے میں ابودرداؓ بھی آگئے اور انہوں نے حضرت سلمان کے لئے کھانا تیار کیا اور فرمایا آپ کھاؤ، میں تو روزہ سے ہوں۔ حضرت سلمان نے کہا میں بھی اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک کہ آپ نہیں کھاتے۔ مجبوراً ابودرداؓ نے ساتھ کھا لیا۔ جب رات ہوئی تو حضرت ابودرداؓ عبادت گزاری کے لئے جانے لگے۔ حضرت سلمانؓ نے کہا ابھی سوجاؤ۔ وہ سوگئے۔ پھر تھوڑی دیر بعد اٹھنے لگے۔ سلمانؓ نے پھر منع کیا۔ جب رات کا آخری حصہ آگیا تو حضرت سلمانؓ نے فرمایا اب اٹھو۔ پس دونوں نے نماز تہجد پڑھی اور حضرت سلمانؓ نے فرمایا اے ابودرداؓ تیرے رب کا تیرے اُوپر حق ہے۔ تیرے نفس کا تیرے اوپر حق ہے اور تیری بیوی کا تیرے اوپر حق ہے۔ پس ہر حق دار کو اس کا حق ادا کرو۔ صبح حضرت سلمانؓ نے حضورؐ کی خدمت میں رات کا سارا ماجرا بیان کیا تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا سلمانؓ نے بالکل سچ کہا ہے۔ یعنی حقوق کی خدا، نفس اور بیوی کے درمیان جو تقسیم کی ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ میں بھی اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ گویا بیوی کے حقوق ادا کرنے کے لئے رات کا ایک حصہ تنہائی میں اس کے پاس گزارے۔ نفس کا حق ادا کرنے کے لئے رات کا کچھ حصہ سو رہے۔ اور خدا کا حق ادا کرنے کے لئے پچھلی رات اُٹھ کر نماز تہجد پڑھے۔ اس طرح ہر حقدار کے حق کی ادائیگی کرے۔ جبھی سرخرو ہو سکے گا۔ ورنہ صرف عبادت و ریاضت کر کے اپنے اہل و عیال کے حقوق کے مطالبہ سے خلاصی نہیں پا سکتا۔ آخرت میں جہاں نماز روزے کے متعلق پوچھا جائے گا، وہیں یہ بھی سوال ہوگا کہ اے مرد تو نے اپنی بیوی کے حقوق کیوں ادا نہیں کئے۔ اسی طرح عورت سے پوچھا جائے گا کہ تو نے اپنے خاوند کے حقوق کیوں پامال کئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق تو معاف بھی کر سکتے ہیں مگر حقوق العباد کی معافی بغیر ادائیگی کے ہو ہی نہیں سکتی۔

اس حکایت سے معلوم ہوا کہ آدابِ مہمانی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جہاں تک ہو سکے میزبان خود اپنے ہاتھ سے مہمان کی خدمت کرے۔ اور یہ تو بالکل ادب اور مروت کے خلاف ہے کہ مہمان کو نوکروں اور خادموں کے سپرد کر کے خود جا کے سو رہے۔ بلکہ بہترین میزبانی یہ ہے کہ مہمان کی ہر ضرورت اس سے پوچھ کر بذاتِ خود اسے پورا کرنے کی کوشش کرے۔ اس سے مہمان کو بے حد خوشی ہوگی۔ مہمانوں کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ ان کے سامنے ان پر یا کسی دوسرے پر ناراضگی کا اظہار نہ کرے۔

عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک قبیلے کی مہمانی کی۔ جب سارے مدعوین آگئے تو مجھے فرمایا اے عبدالرحمٰن تو مہمان کی خبر گیری کر مجھے تو حضورؐ کی خدمت میں جانا ہے۔ اور دیکھو میرے آنے سے پہلے پہلے ان کو کھانا کھلا کے فارغ کر دینا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ جا کے کھانا لے آئے اور کہا کہ شروع فرماؤ۔ وہ کہنے لگے۔ گھر کا مالک (یعنی ہمارا میزبان) کہاں ہے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا۔ آپ کھانا تو کھاؤ۔ وہ کہنے لگے جب تک صاحب خانہ نہیں آجاتا ہم کھانا نہیں کھائیں گے۔ عبدالرحمٰنؓ نے عرض

کہ آپ لوگ ماحضر تناول کرلیں۔ اگر ان کے آنے تک آپ نے کھانا نہ کھایا تو پھر ہم سب کی خیر نہیں۔ انہوں نے پھر انکار کر دیا۔ عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ مجھے یقین ہوگیا کہ حضرت ابوبکرؓ اگر میرے اوپر ضرور ناراض ہوں گے۔ جب آپ تشریف لائے تو میں ڈر کے مارے ایک طرف کھسک گیا۔ آپ نے پوچھا تم لوگ کھانا کھا چکے ہو۔ انہوں نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ حضرت ابوبکرؓ نے آواز دی۔ اے عبدالرحمٰنؓ۔ میں چپ رہا۔ پھر کہا عبدالرحمٰنؓ، میں پھر بھی خاموش رہا۔ حضرت ابوبکرؓ کو غصہ آگیا۔ فرمایا یا غنثر۔ یعنی او گندے یا او جاہل میں نے بھی قسم کھالی ہے کہ اگر تو سننے کے باوجود نہ آیا تو میں گھر سے چلا جاؤں گا۔ پھر مجھے بولنا ہی پڑا۔ میں نے کہا اپنے مہمانوں سے پوچھو میرا کتنا قصور ہے۔ انہوں نے میری صفائی دی کہ یہ تو کھانا لایا تھا۔ ہم ہی نے نہیں کھایا۔ ابوبکرؓ بولے تو پھر تم میرا انتظار کرتے رہے ہو۔ اللہ کی قسم میں بھی آج رات کھانا نہیں کھاؤں گا۔ اس کے بالمقابل انہوں نے بھی قسم کھالی۔ کہ جب تک تو نہیں کھائے گا ہم بھی نہ کھائیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ کو پھر کچھ احساس ہوا۔ فرمایا میں نے آج جیسی بد ترین رات کبھی نہیں دیکھی۔ تمہیں کیا ہوگیا۔ تم کیوں ہماری میزبانی قبول نہیں کرتے۔ عبدالرحمٰن جاؤ کھانا لاؤ۔ میں نے کھانا لاکر سامنے رکھ دیا۔ فرمایا بسم اللہ الاولیٰ للشیطان۔ یعنی بسم اللہ کرو۔ یہ پہلی بات تو شیطان نے کہلوادی تھی۔ (یعنی بلاوجہ جو قسما قسمی اور ایک قسم کی ناراضگی ہوگئی تھی۔ یہ شیطانی اثر ہے اسے دفع کرو اور کھانا کھاؤ۔ اس کے بعد آپ نے اور ان سب نے کھانا کھالیا۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ آدمی اپنے گھر کے دروازے تک مہمان کو چھوڑنے کیلئے آئے۔ یعنی یہ مناسب نہیں کہ بیٹھک کے اندر ہی مصافحہ کر کے ان کو روانہ کر دے۔ بلکہ دروازے تک الوداع کہنے کے لئے آنا چاہیئے، بلکہ اگر ہو سکے تو سواری یا اڈہ اور اسٹیشن تک جائے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ حضورؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا۔ برتنوں کو ڈھانپ کر رکھو، اور مشکیزے کا منہ باندھ دیا کرو، دیا بجھا دیا کرو اور دروازہ بند کر دیا کرو۔ اس لئے کہ شیطان بند مشکیزے میں اتر نہیں سکتا اور دروازے کو کھول نہیں سکتا اور برتن کو ننگا نہیں کر سکتا۔ اور اگر کسی کو ڈھانپنے کی کوئی چیز نہ ملے تو وہ بسم اللہ پڑھ کر برتن کے منہ پر کوئی لکڑی رکھ دے۔

گرمیوں کے موسم میں عموماً کیڑے مکوڑے کپڑوں میں کھانے پینے کے برتنوں میں بلکہ بیٹھنے، لیٹنے کی جگہوں میں آگھستے ہیں۔ اگر برتن کھلے ہوں تو بہت ممکن ہے، ان میں کوئی موذی چھپ کر بیٹھا ہو، اور پینے والے کو تکلیف پہنچائے اور اگر اس کا احتمال نہ بھی ہو تو بھی صفائی اور پاکیزگی کا تقاضا ہے کہ برتن ڈھانپ کے رکھے جائیں تاکہ ان پر گرد و غبار اور تنکے وغیرہ نہ پڑ سکیں۔ دروازہ کھلا ہو تو چوروں کے علاوہ کتے، بلیاں آگھستے ہیں۔ اور وہ چیزوں کا نقصان کرنے کے علاوہ برتن پلید کرتے ہیں اور اگر دیا نہ بجھایا جائے تو بسا اوقات ہوا کے جھونکوں سے ادھر ادھر آگ لگ جاتی ہے جس سے مکان ہی جل جانے کا اندیشہ ہے۔ کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ چوہا جلتی ہوئی بتی پکڑ کے بھاگ پڑتی ہے تو پھر جہاں جہاں سے گزرے وہ ساری چیزیں آگ کی زد میں آجاتی ہیں۔ بس انہی نقصانات کے امکان کو حضورؐ نے شیطان سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ شیطان کا کام بنی نوع انسان کا نقصان کرنا ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں حضورؐ کے واسطے رات کو تین برتن ڈھانپ کے رکھتی تھی۔ ایک برتن میں آپؐ کے وضو کا پانی ہوتا تھا۔ دوسرے میں آپؐ کی مسواک۔ اور تیسرے میں آپؐ کے پینے کا پانی۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ کہ ایک شخص راہ میں چلا جا رہا تھا۔ اچانک اسے پیاس نے بیتاب کر دیا۔ اس نے ایک کنواں دیکھا اور پانی پینے کے لئے اس کے اندر اتر گیا۔ پانی پی کر جب وہ باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ ایک کتا کھڑا ہانک رہا ہے۔ اور شدید پیاس کی وجہ سے گیلی مٹی کو چاٹ رہا ہے۔ اس آدمی نے محسوس کیا کہ پیاس نے کتے کو بھی اسی طرح بیتاب کر رکھا ہے، جیسے مجھ کو کیا تھا۔ وہ پھر کنوئیں میں اترا اور اپنے موزے کو پانی سے بھر لیا اور اپنے منہ میں پکڑ کر باہر نکل آیا اور وہ پانی کتے کو پلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ہمدردی کی قدر دانی کرتے ہوئے اسے بخش دیا۔ لوگوں نے عرض کیا۔ حضورؐ کیا چوپایوں کی ہمدردی اور خبر گیری میں بھی ہمارے لئے ثواب ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ چوپایوں پر ہی کیا موقوف ہے بلکہ ہر تر جگر والی چیز میں تمہارے لئے اجر ہے۔

یعنی مخلوقِ خدا میں سے کسی بھی جانور پر رحم کرو گے تو تم اللہ کے ہاں اجر کے مستحق ہو گے۔ خواہ کتے اور بلی جیسا ذلیل جانور ہی کیوں نہ ہو کیونکہ بھوک اور پیاس کا ہر جاندار کو یکساں احساس ہوتا ہے جس طرح آدم زاد بھوک کی وجہ سے بلبلاتا اور پیاس کی شدت سے بے چین ہوتا ہے، اسی طرح ہر جاندار کو بے تابی اور بے چینی ہوتی ہے۔ پس اگر کوئی رحم دل انسان کسی بھی جانور پر رحم و کرم کا مظاہرہ کرتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے کسی انسان کی پیاس بجھا دی یا کسی آدمی کی بھوک مٹانے کا سامان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ مخلوقِ خدا پر اس کی جاں سوزی اور ہمدردی کی قدردانی میں اس کی مغفرت کا سامان کر دیتے ہیں

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جو مسلمان چاندی کے برتن میں پیتا ہے وہ دراصل اپنے پیٹ میں آگ ڈال رہا ہے۔ یعنی اس گناہ کی سزا اس کو یہ ملے گی کہ آخرت میں اس کو آگ کے انگارے نگلنے پڑیں گے۔ اور یہ حکم مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے ہے۔ کیونکہ عورتیں بھی سونے چاندی سے صرف زیور کی صورت میں فائدہ اٹھا سکتی ہیں اور کسی صورت میں نہیں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ تین سانسوں میں پانی پیا کرتے تھے۔ اگر کوئی شدتِ پیاس کی وجہ سے ایک دم پانی پی لے تو بعض دفعہ بیماری اور تکلیف کا باعث بن جاتا ہے اور ایک دم پینے میں ایک قسم کا بے صبرا پن بھی ظاہر ہوتا ہے اس لئے حضورؐ نے نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ تین سانس میں پانی پینے کو فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے مشکیزے کو منہ لگا کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔ اس طرح آج کل جگ بالٹی یا گھڑے وغیرہ کو منہ لگا کر پینا بھی اسی حکم میں شامل ہے۔ حضورؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ پینے کی چیز کو ایک دم نہ پی جایا کرو بلکہ تین سانسوں میں پیو اور پینے سے پہلے بسم اللہ پڑھو اور جب پی چکو تو الحمد للہ کہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے یہ عمدہ اور مزیدار چیزیں تم کو عطا کی ہیں تو پھر جب تم اس کی نعمتوں کو اسی کے نام سے شکر گزاری کے ساتھ کھاؤ پیو گے تو وہ مولائے کریم خوش ہو کر تم کو اور زیادہ عنایت فرمائے گا یا کم از کم تمہارا نام شاکرین میں تو شمار کر ہی لے گا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے کھڑا ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔

آج کل تو اس سنتِ رسولؐ کی اس قدر خلاف ورزی ہو رہی ہے کہ جس کو دیکھو پانی ہو یا شربت، سوڈے کی بوتل ہو یا دوائی کا مکسچر کھڑے ہو کر بائیں ہاتھ سے پینے میں فخر کرنے لگے۔ اور فیشن سمجھنے لگے۔ آبِ زمزم اور وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا بے شک حضورؐ کی سنت ہے۔ ان کے علاوہ اور سب پینے کی چیزوں کو بیٹھ کر دائیں ہاتھ سے پینا چاہیئے۔

بقیہ: محرم الحرام

شیون کی اجازت ہوتی تو یقیناً تاریخ اسلام کی یہ دونوں شہادتیں ایسی تھیں کہ اہل اسلام اس پر جتنی بھی سینہ کوبی اور ماتم و گریہ و زاری کرتے، کم ہوتا لیکن ایک تو اسلام میں ایسی ماتم و گریہ و زاری کی اجازت نہیں۔ دوسرے یہ تمام واقعات تکمیلِ دین کے بعد پیش آئے ہیں اس لئے ان کی یاد میں مجالس عزا اور محفل ماتم قائم کرنا دین میں اضافہ ہے جس کے ہم قطعاً مجاز نہیں۔

خط و کتابت کرتے وقت

خریداری نمبر یا کھاتہ نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ ورنہ تعمیل نہیں ہو سکے گی نیز اپنا پتہ صاف اور صحیح لکھیں۔

پیش کش : جناب ظہور احمد صاحب ۲۲ ترتیب : علوی

احسن القصص

افادات : حضرت مولانا علامہ نور الحسن پروفیسر اورینٹل کالج لاہور

اب ان دونوں کو جیل سے باہر لے گئے ۔ ایک تو رہا ہو گیا جیسے آپ نے فرمایا تھا اور اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا ۔ دوسرے کا جو حال ہوا سو ہوا جس کے بارے میں آپ کا یہ خیال ہوا تھا کہ یہ رہا ہو کر اپنی ڈیوٹی پر جائے گا ۔ اس سے آپ نے فرمایا کہ تم تو اپنی ڈیوٹی پر چلے جاؤ گے ۔ بادشاہ کا جو تقرب تمہیں حاصل تھا وہ پھر حاصل ہو جائے گا موقعہ نکال کر ہمارا بھی ذکر کرنا کہ ایک بے چارہ بالکل بے قصور آدمی ہے ۔ بے جرم آدمی ہے خواہ مخواہ اسے جیل میں ڈال رکھا ہے ۔

اس سے اندازہ ہوا کہ اگر کوئی آدمی اپنی تکلیف کے سلسلہ میں اسباب اختیار کرتا ہے تو یہ توکل کے منافی نہیں ، دیکھو خدا کا پیغمبر ہے یا ہونے والا ہے لیکن کہتا ہے کہ موقعہ نکال کر اپنے آقا کے سامنے ذکر کر دینا کہ ایک بے چارہ بالکل بے قصور ہے ، جیل میں پڑا ہوا ہے ۔

اب دیکھئے وہ رہا ہو گیا ، چلا گیا اور واقعی اپنی ڈیوٹی پر بحال ہو گیا اور دوسرے کو سولی دے دی گئی ۔ وہ بات تو ختم ہو گئی ۔ اس آدمی نے بادشاہ کے سامنے تذکرہ کیا یا نہیں ؟ نہیں ! کیوں نہیں کیا ؟ اللہ کو ابھی منظور نہ تھا کہ وہ رہا ہوں ۔ ان کی تربیت وہاں وہاں کرنی منظور تھی ۔ اس کے لیے مدت درکار تھی ۔ شیطانی وساوس نے اس آدمی کے ذہن پر اتنا ہجوم کیا کہ اسے یہ بات یاد ہی نہ رہی کہ میرا ایک محسن ہے ۔ میں نے خواب دیکھا تھا اس نے تعبیر بتائی تھی اور وہ پوری ہوئی ۔ اور آتے ہوئے اس نے مجھے کہا تھا کہ اپنے آقا سے ذکر کرنا لیکن ...

فانسٰہ الشیطٰن الخ شیطان نے آقا کے سامنے ذکر کرنے کو بھلا دیا اور وہ ذکر نہ کر سکا اس پر کئی سال گزر گئے ۔ یہ ایک تفسیر ہے ۔

دوسری تفسیر بھی آپ سے عرض کئے دیتا ہوں :
حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ نہ چاہیے تھا کہ وہ اس سے کہتے کہ تم بادشاہ سے ذکر کرنا بلکہ یہ ساری بات دعا کی شکل میں خدا کے سامنے ہونی چاہیے تھی ۔

اس صورت میں "فانساہ الشیطان" کا مطلب ہوگا کہ اپنے خدا کے سامنے دعا کرنے سے یوسف علیہ السلام کو شیطان نے بھلا دیا ۔ امام ابن جریر نے اس تفسیر کو اختیار کیا اور یہ اس بنیاد پر ہے کہ فانسٰہ میں ہ (کی ضمیر) اس قیدی (رہا ہونے والے) کی طرف لوٹتی ہے یا یوسف علیہ السلام کی طرف ! لیکن اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ اس قیدی کی طرف لوٹتی ہے اسے تاکید کی تھی کہ جب رہا ہو کر جاؤ اور ڈیوٹی پر بحال ہو جاؤ تو اپنے آقا سے ذکر کرنا ۔ اسے شیطان نے بھلا دیا کہ وہ اپنے آقا سے ذکر نہ کر سکا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کئی سال یوسف علیہ السلام کو قید میں رہنا پڑا ۔ وہ جو اللہ کی مشیت تھی وہ پوری ہوئی ۔ مجموعی طور پر کتنا عرصہ جیل میں رہے وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے ۔ روایات تاریخی ۷ سے ۱۲ سال تک ہیں ۔ لیکن قرآن کہتا ہے بضع سنین اور بضع کا عربی میں ۳ سے ۹ تک پر اطلاق ہو سکتا ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ۳ سے بہرحال زیادہ اور ۹ سال کے درمیان ۔

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ان کی رہائی کے احکام صادر ہوئے تو ان کی عمر شریف تیس

سال تھی اور اگر ۹ سال رہے تو مطلب ہے جب جیل گئے تو ۲۱ سال کے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو کئی سال تک قید خانہ میں رہنا پڑا۔

اب اللہ کو منظور ہوا کہ یوسف علیہ السلام رہا ہوں اس کے لیے اسباب جمع ہوتے ہیں اس سے پہلے جو اسباب تھے ان میں سے ہر ایک یوسف علیہ السلام کے خلاف جاتا تھا۔ بھائیوں نے کیا کیا؟ پھر بکے اور دوسری مرتبہ۔ پھر مصر میں ان کے ساتھ کیا ہوا؟ جیل خانہ میں ڈالے گئے۔ بہرحال ابتلا کا دور یا کہنا چاہیے تربیت کا دور ختم ہوا۔ اب اللہ تعالےٰ کی مشیت ہوئی کہ ان کو جیل سے باہر لایا جائے اور جس کام کے لیے ان کو طیار کیا گیا ہے وہ ان کے سپرد ہو۔

وقال الملك الخ۔ ملک کا جو شاہ تھا اس نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سات گائیں ہیں موٹی۔ ان سات موٹی گائوں کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں، ایک تو یہ دیکھا۔

جس دور کی یہ بات ہے تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک مصر کے سات حصے یا سات صوبے تھے۔

"سبع" سے ادھر اشارہ ہو سکتا ہے اور ان کے یہاں جو کھیتی باڑی کی دیوی تھی وہ گائے کی شکل میں تھی، مشرک معاشرہ تھا، بت پرست معاشرہ تھا۔ بادشاہ کہتا ہے کہ سات گائیں ہیں موٹی انہیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں۔ پھر میں نے یہ دیکھا کہ سات اناج کی ہری بالیں ہیں اور سات ہی خشک بالیں ہیں۔ اور پھر آگے روایات میں آتا ہے کہ دیکھا کہ خشک بالیں ہری بالوں کو لپٹ گئیں۔ اور انہیں بھی خشک کر دیا۔ گویا خواب کے دو حصے ہیں گایوں سے متعلق اور بالوں سے متعلق۔ اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟

یاایھا الملأ الخ۔ اے اہل دربار! اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ میرے اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟

باوجود اس کے کہ وہ معاشرہ مشرک تھا۔ لیکن اس کے باوجود مانتے تھے کہ خواب کی کوئی تعبیر ہوتی ہے۔

آپ اندازہ لگائیں کہ بادشاہ نے خواب دیکھا اور جس طرح اس کے خیالات ہوتے ہیں اس سے گایوں اور بالوں کا کیا تعلق؟ بہرحال وہ اہل دربار سے پوچھتا ہے کہ تعبیر بتلاؤ۔ انھوں نے کہا اضغاث احلام۔ بس پریشان خیالات ہیں، یہ کوئی ایسا خواب نہیں جس کی تعبیر ہو۔ بسا اوقات ذہن پریشان ہوتا ہے، صحیح نیند نہیں پڑتی تو عجب طرح کے خیالات آتے ہیں لیکن ان کی تعبیر کوئی نہیں ہوتی۔

اندازہ ہوتا ہے کہ بادشاہ نے خواب جو دیکھا تو اس سے پریشان تھا۔ اور اس میں خوشی کی بات ہے بھی نہیں کہ گائیں گایوں کو کھا رہی ہیں اور خشک بالوں نے لپٹ کر ہری بالوں کو بھی خشک کر دیا۔ اس کی پریشانی کو دور کرنے کے لیے کہتے ہیں "اضغاث احلام"۔ یہ پریشان خیال ہے۔ خواب واب کچھ نہیں اور ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر فرض کریں پریشان خیالی نہ ہو خواب ہی ہو تو ہم تو تعبیر کے علم سے واقف نہیں۔ وما نحن بتأويل الخ۔

یہ گفتگو سر دربار ہوئی سب نے اس کو سنا۔ وہ ساقی جو رہا ہو کر آیا تھا اور جس کو یوسف علیہ السلام نے کہا تھا کہ اپنے آقا سے ذکر کرنا وہ بھی موجود تھا اسے معاً بات یاد آ گئی کہ میں جیل میں تھا میں نے خواب دیکھا۔ ایک صالح جوان سے تعبیر پوچھی۔ وہ تعبیر پوری ہوئی اس نے مجھے یہ کہا تھا کہ آقا سے ذکر کرنا۔ یہ ساری بات اسے یاد آ گئی اور کہا:

وقال الذی نجا الخ۔ قرآن حوالہ دیتا ہے کہ ان دونوں میں سے جو قیدی بچ گیا تھا ایک عرصہ کے بعد اسے وہ قصہ یاد آیا۔ اس خواب کی مناسبت سے اس خواب کا اپنا سارا قصہ یاد آ گیا۔ پہلے یاد نہ رہا۔ جیسے ذکر ہو چکا ہے کہ شیطان نے اسے بھلا دیا، وساوس کا ہجوم رہا۔

اب اس نے کہا کہ میں اس خواب کی تعبیر پوچھ کر آتا ہوں مجھے بھیجو۔

غور فرمائیں کہ یہ نہیں کہتا کہ مجھے قید خانہ میں بھیجو اگر ایسا کہتا تو تحقیق شروع ہو جاتی ہے کون ہے؟ بس کہا کہ مجھے جانے دو میں پوچھ کر آتا ہوں کہیں سے بھی پوچھ کر آؤں چنانچہ وہ گیا یوسف علیہ السلام سے ملا، ان سے خواب ذکر کیا۔ انہوں نے

تعارف وتبصرہ

تبصرہ کے لیے کتاب کی دو جلدیں دفتر میں آنا ضروری ہیں۔ تبصرہ باری پر ہوگا۔

آئینۂ تربیت :

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کی مشہور کتاب "تربیت السالک" جس کے ایک حصہ پر خدام الدین میں تبصرہ بھی ہو چکا ہے بڑی معرکہ کی کتاب ہے اور ایک سالک کے لیے انتہائی مفید رہتما۔ لیکن عام لوگ اس کتاب سے خاطرخواہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ جس کی وجہ صفحات کافی ہونے کے ساتھ فنی اصطلاحات وغیرہ کی کثرت ہے۔ قدرت نے آپ کے خلیفہ ڈاکٹر مولانا عبدالحی استاذ الکلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن سے یہ کام لیا کہ انہوں نے شیخ کی کتاب کا عطر نکال کر شیخ کے حضور پیش کر دیا۔ انہوں نے پسند فرما کر نام بھی خود تجویز فرمایا اور اس طرح عوام کے لیے یہ قیمتی نسخہ طیار ہو گیا۔

توحیدی کتب خانہ گل محمد لائن چاکیواڑہ کراچی ۲ نے اس کی اشاعت کا اہتمام کر دیا ہے۔ قیمت تین روپے ساٹھ پیسے ہے۔

حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے مواعظ وغیرہ کی تسہیل اور اس طرح کے خلاصے انتہائی مفید و مؤثر ثابت ہو سکتے ہیں۔ خدا کرے کہ آپ کے متعلقین یہ کام کر دیں۔

ازالۃ الاوہام :

حضرت مولانا دوست محمد صاحب قریشی علیہ الرحمہ ایک بلند پایہ خطیب و مناظر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے صاحب قلم بھی تھے۔ آپ کے قلم سے چھوٹی بڑی متعدد کتابیں نکلیں جن میں سے زیادہ تر شیعہ سے متعلق ہیں کہ آپ کا خاص موضوع یہی تھا۔

جلاء الافہام کے نام سے آپ نے ایک رسالہ لکھا، جس میں اہل تشیع کی کتب سے ایک سو اعتراض ان پر کئے تھے۔ ہمیں یاد نہیں پڑتا کہ کسی شیعہ نے آج تک ان کا جواب دیا ہو۔

جناب دوست محمد سربازی صاحب نے اس کتابچہ کا فارسی ترجمہ "ازالۃ الاوہام" کے نام سے کیا ہے جو توحیدی کتب خانہ گل محمد لائن چاکیواڑہ کراچی ۲ سے ۱½ روپیہ میں مل سکتا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس قسم کے رسائل کا ان تمام زبانوں میں ترجمہ ہو جہاں ان کی ضرورت ہے۔ اور وہاں ان کی تقسیم کا بہترین انتظام ہو۔ فارسی جاننے والے حضرات کے لیے بڑا اچھا اور قیمتی رسالہ ہے۔

دعوت القرآن :

ڈاکٹر فضل الدین صاحب اجمیری نے یہ کتاب لکھی ہے جو درمیانہ سائز کے ۲۵۸ صفحات پر مشتمل ہے کتابت طباعت اچھی ہے پلاسٹک کور بھی ہے۔ اور قیمت ۱۸ روپے ہے جو ہمارے خیال میں قدرے زیادہ ہے۔ ملنے کا پتہ نہیں لکھا البتہ یہ لکھا ہے کہ ہر ناشر اور بک سٹال سے خریدیں۔ موصوف نے بعض منتخب عنوانات پر قرآنی آیات جمع کر کے ان کا آسان ترجمہ اور مختصر مفہوم اور تشریح نقل کی ہے جو ایک اچھی محنت ہے۔

تاہم یہ بات باعث رنج ہے کہ آپ نے کتب استفادہ میں بعض ایسی کتب اور ان کے مصنفین کے نام دیئے ہیں جن سے عام طور پر اہل حق علماء بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اس افسوسناک فروگذاشت کے باوجود بعض حضرات نے ڈاکٹر صاحب کی خدمت کو سراہا ہے اور اس فروگذاشت کی طرف توجہ تک نہیں دلائی جو "دوست نوازی" تو ہو سکتی ہے انصاف پسندی نہیں۔ اس قسم کے کام کرنے سے پہلے اہل علم سے مشورہ کر لیا جائے تو زیادہ اچھے اور بہتر نتائج نکل سکتے ہیں۔

(اسعد رحمانی)

فون نمبر
۶۷۵۴۵

ہفت روزہ خدام الدین لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر
۶۰۷۴

منظور شدہ ۱- لاہور بذریعہ چٹھی نمبری ۹ ۱۶۳۲۱ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء ۲- پشاور بذریعہ چٹھی نمبری C.B.T ۲۳۷-۲۴۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء
محکمہ تعلیم ۳- کوئٹہ بذریعہ چٹھی نمبری ۲۹/۹/۲۰۰۷۶-۹ DDA مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۶۴ء (۴) راولپنڈی بذریعہ میمو نمبر ۲۰/۹.۸.M-۱۰۱۵۳۱ مورخہ ۲ فروری
۱۹۶۶ء

خدام الدین اکیڈمی کے قیام کا فیصلہ

انجمن خدام الدین لاہور کی جنرل کونسل کا ایک اہم اجلاس ۱۲ دسمبر کو ۳ بجے دن مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ گیٹ لاہور میں زیر صدارت حضرت مولانا عبیداللہ انور مدظلہ العالی امیر انجمن خدام الدین منعقد ہوا جس میں متعدد تنظیمی امور پر غور و خوض کیا گیا۔ اجلاس میں امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفہ اور تعلیمات کی وسیع پیمانے پر نشر و اشاعت کے لیے "خدام الدین اکیڈمی" قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور مندرجہ ذیل حضرات پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی گئی جو اکیڈمی کے بارے میں ضروری امور پر غور و خوض کر کے جنرل کونسل کے آئندہ اجلاس میں رپورٹ پیش کرے گی:

حضرت مولانا عبیداللہ انور مدظلہ العالی	سربراہ
مولانا زاہد الراشدی	رکن
الحاج ظہیر الدین صاحب	رکن
ماسٹر لال دین اخگر صاحب	رکن
مولانا عبدالرشید ارشد صاحب	رکن

کمیٹی انجمن خدام الدین کے دستور پر نظر ثانی کر کے ضروری ترامیم کی بھی تجویز کرے گی۔

کمیٹی کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ مشورہ میں جس بزرگ کو بھی مناسب سمجھے شریک کرے۔

خدام الدین اکیڈمی اور دستور انجمن کے بارے میں کمیٹی کی رپورٹ پر غور و خوض کے لیے انجمن خدام الدین کی جنرل کونسل کا اجلاس جنوری کے آخر میں ہوگا جس میں اکیڈمی کو حتمی شکل دی جائے گی۔

انجمن کی رکن سازی

اجلاس کے ایک فیصلہ کے مطابق انجمن خدام الدین کی رکن سازی کا کام فوری طور پر شروع کر دیا گیا ہے جو ایک ماہ کے اندر مکمل ہو جائے گا۔

حضرت مولانا عبیداللہ انور دامت برکاتہم نے سلسلہ عالیہ قادریہ راشدیہ کے وابستگان کو ہدایت کی ہے کہ وہ انجمن خدام الدین کی سرگرمیوں کو مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر منظم کرنے کے لیے انجمن سے تعاون کریں۔ اور اپنی تجاویز کمیٹی کو تحریری طور پر ارسال فرمائیں۔ تاکہ باہمی مشورہ اور تعاون سے حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ کی یادگار اس عظیم ادارہ کو وسیع بنیادوں پر منظم کیا جا سکے۔

مولانا عبیداللہ انور پبلشر نے پرنٹر خواجہ شوکت علی پرنٹرز میں چھپوا کر شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا۔